زیارت حرمین
نقوش و تاثرات
حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہی کا سفرنامہ حج
toobaa-elibrary.blogspot.com
جامع و مرتب
مولانا محب الحق
استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

زیارت حرمین

نقوش وتاثرات

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ کا سفر نامہ حج

جامع ومرتب

مولانا محب الحق

استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

ناشر

فرید بک ڈپو، دریا گنج، نئی دہلی-۲

نام کتاب : زیارت حرمین نقوش وتاثرات

جامع ومرتب : مولانا محب الحق (پروہی مدھوبنی بہار)

کمپوزنگ : عبدالصبور (عبدالرحمٰن کمپیوٹر گرافکس، شاہی چبوترہ، امروہہ)

ناشر : فرید بک ڈپو، دریا گنج، نئی دہلی-۲

طباعت :

تعداد :

اشاعت اول : ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۱ء

قیمت :

اسٹاکسٹ :

ترتیب

افتتاحیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

کتاب ''اعیان الحجاج'' مؤلفہ محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کا ''پیش لفظ'' مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے لکھا ہے، اپنے اس پیش لفظ میں مولانا علی میاںؒ نے حج کی اور اس کے عظمت دینی، روحانی اور دنیوی منافع کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب ''زیارت حرمین'' (نقوش وتاثرات) پر الگ سے کچھ لکھنے کے بجائے اسی پیش لفظ کو کچھ ترمیم کے ساتھ یہاں ذکر کر دیا جائے؛ چنانچہ مولانا ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

> ''حج اپنی عظمت ومحبوبیت، دینی وروحانی تاثیر وانقلاب، وسعت و طوالت عمل، صعوبت سفر اور بہت سے دینی ودنیوی منافع کے لحاظ سے، اس کا مستحق ہے کہ اس کے لیے بڑی سے بڑی تیاری اور زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے۔ اس تیاری واہتمام کا سب سے اہم شعبہ یہ ہے کہ دماغ اس کی عظمت وجلالت سے مغلوب اور دل اس کے شوق واشتیاق سے سرشار ہو، اور عازم حج کا حوصلہ بلند، ہمت عالی اور قلب زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے اور اس کے ثمرات و برکات کے حاصل کرنے کا حریص ومشتاق ہو، وہ محض ضابطے کی تکمیل اور فقہی وقانونی طور پر فریضۂ حج کے ادا کر لینے پر رضامند و قانع نہ ہو بلکہ اس سفر سعادت کو حقیقی معنی میں سفر سعادت وسیلۃ الظفر (کامیابی کا ذریعہ) دینی وروحانی اور علمی ترقیات کا ذریعہ بنانے کا عزم بالجزم رکھتا ہو''

اکابر نے اس سفر کو بڑی عظیم الشان دینی و روحانی کامرانیوں اور ترقیات کا ذریعہ بنایا۔ جن کے واقعات آج تک ایمان میں تازگی، روح میں بالیدگی، ہمت میں بلندی اور طبیعت میں عشق ومحبت کی چنگاری پیدا کردیتے ہیں۔''

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی اس تحریر میں اس سفرِ مقدس کے انوار و برکات کے ساتھ ساتھ دینی وعلمی ترقیات کی طرف خاص طور سے متوجہ کیا ہے کہ اس سفر کا مقصد صرف فریضہ حج کی ادائیگی نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ دینی وعلمی کمالات حاصل کرنے کا بھی بہترین ذریعہ بنے، تاریخ کی کتابیں اس کی شاہد ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد مکہ معظمہ ایک بار پھر اکابر اہل علم کا محور ومرکز بن گیا تھا اور مسجد حرام میں درس کے متعدد حلقے قائم ہوگئے تھے۔ اس عہد میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے چاہِ زمزم کے قریب اپنی نشست گاہ مقرر کی اور درس کا وہ حلقہ قائم ہوا جس کی شہرت ملک کے کونے کونے میں پہنچی اور مختلف اطراف کے طلبہ اس میں شریک ہوئے۔ اس حلقۂ درس سے مجاہدؒ، طاؤس یمانیؒ، سعید بن جبیر کوفیؒ، سلیم بن یسار مدنیؒ اور ابوزبیرؒ جیسے ائمۂ تفسیر وحدیث وفقہ فیض یاب ہوئے، عبداللہ بن عباسؓ کے بعد مکہ مکرمہ میں مجاہدؒ، عطاءؒ، ابوزبیرؒ اور عمرو بن دینارؒ کے حلقہ ہائے درس تفسیر و حدیث قائم ہوئے۔ جن میں امام ابوحنیفہؒ، امام ثوریؒ، ابن عیینہؒ، مسلم بن خالدؒ، امام اوزاعیؒ اور امام مالکؒ وغیرہ جیسے اساطین علم شریک ہوکر علم کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

اس کے بعد ابن ابی نجیحؒ، ابن جریجؒ، ابن عیینہؒ اور مسلم بن خالدؒ کا دور آتا ہے، ان کے حلقہ ہائے درس میں امام شافعیؒ، حمیدیؒ، امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ نے حاضر ہوکر علم کی تحصیل و تکمیل کی۔ اور حمیدیؒ کے حلقۂ درس میں امام بخاریؒ، اسحاق بن راہویہؒ بھی شریک ہوئے۔

تاریخ وتذکرہ کی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے لے کر حمیدیؒ اور ان کے بعد تک مکہ معظمہ کے ان علمی حلقوں کی رونق اسی سفرِ حج کی بدولت تھی، لوگ حج کرنے آتے تھے اور حج کے ساتھ ساتھ علم کی دولت بھی لے کر جاتے تھے۔

بارہویں صدی میں آئیے، اور غور کیجئے کہ آج برصغیر میں جہاں جہاں بھی درس تفسیر و حدیث اور فقہ کے حلقے قائم ہیں، جہاں سے شب و روز قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور ان علوم کے حوالے سے علماء برصغیر کے جو کارنامے ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں یہ سب کس کا فیض ہے؟ کیا یہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا فیض نہیں ہے؟ پھر اس پر بھی غور فرمائیے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو یہ دولت کہاں سے ملی؟ یقیناً اسی سفر حج کی بدولت مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں حاصل ہوئی، کسی خارجی شہادت کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں خود حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتاب ''الانتباہ فی اسناد حدیث رسول اللہؐ اور انسان العین فی مشائخ الحرمین'' کی شہادت اس سلسلہ میں کافی ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ ۱۱۴۳ھ میں مکہ معظمہ کے لیے روانہ ہوئے، ایک سال حجاز میں قیام کر کے مدینہ منورہ میں شیخ ابوالطاہر محمد کردیؒ اور مکہ معظمہ میں شیخ تاج الدین حنفی کویؒ سے صحاح ستہ کی تکمیل کر کے سند حدیث حاصل کی۔ اور شیخ وفد اللہؒ سے بہت تھوڑی مدت میں موطا امام مالک اول سے آخر تک پڑھ کر تمام مرویات کی سند لی اور دوسرا حج کر کے ۱۱۴۵ھ میں ہندوستان واپس آئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے ماموں مولانا عبید اللہ پھلتیؒ نیز آپ کے شاگرد رشید ماموں زاد بھائی اور مرید خاص شاہ محمد عاشق پھلتیؒ بھی رفیق سفر اور شریک درس رہے۔ آخر میں یہ دولت آپ سے منتقل ہو کر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ اور مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ وغیرہ تک پہنچی اور یہی حضرات اس کے سچے وارث اور امین بنے۔

مولانا فریدیؒ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے حلقہ ہائے درس تفسیر وحدیث وفقہ اور مختلف مدارس حرمین شریفین کا ذکر کیا ہے، اور ان حلقوں میں آپ شریک بھی ہوئے ہیں، یہاں صرف مدارس حرم میں سے ایک مدرسہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے، مولانا فریدیؒ تحریر کرتے ہیں:

''اتوار کے دن بعد عصر طواف کر کے ''مدرسہ فخریہ'' میں جانا ہوا، مولانا محمد نور بن

سیف الدین مالکی کا درس بخاری ہورہا تھا، تیس (۳۰) سے زائد طلبہ حلقہ درس میں تھے، بعد ختم درس مولانا مالکی سے ملاقات ہوئی، بہت ہی محبت سے ملے، ہندوستان کے حالات معلوم کرنے لگے، آب زمزم کے تین کٹورے لبالب بھرے ہوئے پلائے، پھر فنجان پیش فرمایا؛ چونکہ چائے گرم نہیں تھی؛ اس لیے دوسری پیالی منگوائی اور ازراہ خوش طبعی عربی میں یہ مفہوم بیان کیا کہ: فارسی زبان میں چائے کی تین خوبیاں بیان کی گئی ہیں کہ وہ: لب سوز، لب دوز اور لب ریز ہو۔ ان کے درس بخاری میں ایک خاص کیفیت محسوس ہوئی، احادیث کی مختصر مختصر تشریح بھی کرتے جاتے تھے، جب ایک حدیث میں وہ الفاظ پڑھے گئے، جو وفات کے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری تھے تو رقت کا عالم طاری ہوگیا......

اس درس کے علاوہ بھی مختلف اوقات میں درس کے دو تین حلقوں میں جانے کا اتفاق ہوا، ایک جگہ "ابن کثیر" ہو رہی تھی، ایک جگہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم کی تفسیر پڑھائی جارہی تھی۔"

مولانا فریدیؒ نے اپنے سفرنامے میں حرمین شریفین کے کتب خانوں کا بھی تذکرہ کیا ہے؛ خصوصاً "مدرسہ صولتیہ" کے کتب خانہ کا بڑے اچھے انداز میں ذکر ہے اور اسی کتب خانہ میں حافظ محمد ضامن شہیدؒ کے حالات میں "مونس مہجوراں" مؤلفہ حکیم ضیاء الدین کے موجود ہونے کا بھی تذکرہ ہے، اس سے مولانا فریدیؒ نے حافظ محمد ضامن شہید تھانویؒ کے حالات اخذ کرکے ماہنامہ تذکرہ دیوبند کے نومبر ۱۹۶۱ء کے شمارہ میں شائع کرائے۔ اب یہ مضمون مقالاتِ فریدی جلد اول میں شامل ہے۔ مدینہ منورہ میں کتب خانہ شیخ الاسلام ترکی کا بھی تذکرہ ہے۔ مولانا فریدیؒ نے اس سفرنامے کو اپنے کلام کے علاوہ دوسرے فارسی و اردو شعراء کے کلام سے بھی مزین کیا ہے، جس کے مطالعہ سے روح کو تازگی اور فرحت حاصل ہوتی ہے، مولانا فریدیؒ اپنے وصال سے چار پانچ سال پہلے ہر سال ایام حج کے موقع پر راقم السطور سے اس سفرنامے کو سنا کرتے تھے، جس کا سلسلہ آخری وقت تک جاری رہا، راقم کی تمناؤں میں سے ایک تمنا یہ بھی تھی کہ مولانا فریدیؒ کا سفرنامہ حج کتابی شکل میں منصۂ شہود پر آجائے

جس سے امت مسلمہ کو فائدہ پہنچے۔ اللہ نے جہاں ہر موقع پر اپنی قدرت کاملہ سے اس حقیر کی ٹوٹی پھوٹی تمناؤں کو پورا کیا ہے، یہ تمنا بھی اس کے فضل سے پوری ہو رہی ہے۔ یہ سفرنامہ پہلے ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کے جلد ۲۹ شمارہ بابت ماہ جمادی الاول تا رمضان ۱۳۸۱ھ میں پانچ اقساط میں شائع ہو چکا ہے۔ بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے ان کرم فرماؤں کا تذکرہ نہ کروں، جنھوں نے راقم کی حوصلہ افزائی اور مدد کی؛ خصوصاً حاجی ماسٹر کمال احمد خاں امروہوی، جنھوں نے اس کتاب کی اشاعت کی پوری ذمہ داری نبھائی اور برصغیر کے عظیم محقق مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی، مفتی سید محمد سلمان منصور پوری (نائب مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد)، جناب ڈاکٹر سید محمد طارق مہتمم جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ، مولوی جنید اکرم فاروقی امروہوی، احقر کی درخواست پر ان حضرات نے اپنے اپنے گرانقدر مضامین سے اس کتاب کو مزین کیا۔ حاجی ماسٹر مرزا افسر حسن بیگ افسر امروہوی تلمیذ حضرت فریدی نے قطعہ تاریخ کہا۔ میرے لڑکے مولانا مفتی حافظ قاری امدادالحق بختیار سلمہ نائب مفتی دارالعلوم حیدرآباد اور مولانا عبدالغفور سنبھلی استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کا بھی تعاون رہا، پروف ریڈنگ میں مولانا مفتی محمد اسلم عباسی امروہی، مولوی محمد انظار سلمہ دیناجپوری کی مدد رہی۔ عبدالصبور سلمہ نے کمپوز کر کے کتاب کے حسن کو دوبالا کیا۔

قارئین سے درخواست ہے کہ جب حضرت مولانا فریدیؒ کے لیے دعا فرمائیں تو ساتھ ہی احقر کے والدین مرحومین کے لیے بھی مغفرت کی دعا کریں۔

سب سے زیادہ یہ حقیر دعاؤں کا محتاج و متمنی ہے، اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ تمام شرور وفتن سے حفاظت فرمائے، آمین۔ اللہ تعالیٰ تمام معاونین کو اپنی قدرت سے اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔ احقر اپنی معروضات کو حضرت فریدیؒ کے شعر پر ختم کرتا ہے۔

اے فریدی ہے عبث تم کو مقدر کا گلہ شوق دل پیدا تو کرتے پھر مقدر دیکھتے

خاکپائے حضرت فریدی: محب الحق

خادم التدریس جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سخنے از سخن ناشناس

از برصغیر کے عظیم محقق مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، امابعد

سفر نامہ کیا ہے؟ زندگی کے ان لمحات، دنوں، ہفتوں یا مہینوں کی روداد سر گذشت، جو کسی شخص نے اپنے وطن سے دور گزارے ہوں اور اس غریب الوطنی اور دیار غیر کے احوال ومشاہدات سے نئے تجربات حاصل کیے ہوں، اپنی اور دوسروں کی زندگی کے لیے نئے نئے سبق حاصل کیے ہوں اور وہاں کی ان کیفیات، معمولات، روزمرہ کی زندگی، کھانے پینے کی چیزوں، شبانہ روز کی مشغولیات، اہل فضل وکمال، علماء اور اصحاب دانش کی ملاقاتوں اور دید سے جو اہم نادر معلومات سامنے آئی ہوں اور ان کی صحبت میں جو اثرات مرتب کیے ہوں، ان سب کو جوں کا توں اپنے احباب اور اہل وطن کے لیے محفوظ وقلم بند کر لینا اور اپنے ان مشاہدات، تجربات اور مطالعات و ملاقاتوں میں اپنے زمانہ کے عام لوگوں، بلکہ آنے والے دور کے افراد اور قارئین کے لیے محفوظ کر دینے کا نام سفر نامہ ہے۔

دنیائے اسلام میں سب سے پہلا سفر نامہ کس نے لکھا، یقین سے کہنا مشکل ہے؟ لیکن ہماری علمی تاریخ کے جو صفحات محفوظ ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری سے اس کا ایک سلسلہ جاری ہے۔ خشکی وتری، صحرا و دریا، ہر ایک کے ایک سے ایک جاندار و شاندار سفر نامے لکھے گئے، کبھی ابن حوقل نے اس کی داستان قلم بند کی، کبھی ابن جبیر اندلسی نے اپنے سفر کی روداد سنائی، کبھی اصطخری کے قلم سے نادر واقعات کا مجموعہ سامنے آیا، کبھی کسی اور نے اس کو آگے بڑھایا، نئی معلومات واطلاعات کا ایک گلستاں آباد کیا۔

بعد میں اس فن اور کمال فن نے یہاں تک ترقی کی کہ بعض سفر نامے اپنے عہد کی

دستاویز اور معتبر مرجع ہی نہیں، اسلامی علمی ذخیرہ کا ایک بیش قیمت اثاثہ بن گئے، جس میں عالمی شہرت یافتہ جہاں نیاں جہاں گشت سیاح، ابن بطوطہ کا نام سرفہرست ہے، جو ان ملکوں اور قوموں کے احوال معلومات کے لیے معتبر دستاویز شمار کیا جاتا ہے، جن کا ابن بطوطہ نے اپنے اس سفرنامے میں تذکرہ کیا ہے، وہ ملک اور علاقے اپنے کو خوش بخت سمجھتے ہیں کہ جن کا ابن بطوطہ کی کتاب میں ذکر آیا ہے، مگر ایسی عظمت و جہانگیری اور ایسی منزلت اور کثرت استفادہ ہر اک سفرنامہ کو نصیب نہیں ہوا۔

سفرنامہ ایک ایسا دلچسپ موضوع اور دل کش سرگذشت ہے کہ، گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ پڑھنے والوں کا اس سے تعلق بڑھتا جاتا ہے اور اس کی اطلاعات و مندرجات تاریخ و تذکرہ کی عام کتابوں پر اضافہ اور ایک نیا حوالہ بن جاتے ہیں۔

مختلف ملکوں اور قسموں کے سفرناموں میں سے، خاص طور پر وہ سفرنامے نہایت قابل قدر اور لائق احترام ثابت ہوئے، جو اہل دل، اہل درد اور عشاق نے لکھے۔ ''حرمین شریفین'' کی زیارت، وہاں کی اندرونی کیفیات اور بیرونی آثار و زیارات، سفر کی منزلوں، مشقتوں، روزانہ کی ضرورت کے سامان کی قیمتوں، ان کے ملنے نہ ملنے کے احوال، وہاں کے عوام کے مسائل، مذہبی، اخلاقی، معاشرتی زندگی، اس کے فائدے نقصانات، یعنی اکثر گوشوں پہلوؤں کا ایسا تذکرہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والا خود کو اس سفر کا شریک سمجھنے لگتا ہے اور اس کے لیے بعض مرتبہ یہ اطلاعات، لکھنے والے کے اخلاص اور رعنائی قلم کی وجہ سے، پڑھنے والوں کے مشاہدات بن جاتے ہیں، ان کو بار بار پڑھا جاتا ہے، ان کی معلومات سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے اور بعد والے، اس سفرنامہ کو گزرتے وقت کا آئینہ اور ان علاقوں کے متعلق صحیح معلومات کا سرمایہ جانتے ہیں۔

خصوصاً وہ سفرنامے، جن میں کسی عاشق دردمند یا کسی صاحب فکر و دانش نے اپنی زیارت حرمین کی سرگذشت لکھی ہو اور ''حرمین شریفین'' اور ان کے متعلقات و ملحقات کا ذکر

کیا ہو، عام سفرناموں سے بہت مفید و موثر اور زیادہ مقبول و ہر دل عزیز ثابت ہوئے ہیں، ان میں احوال جہاں کے ساتھ وارداتِ قلب کی بھی آمیزش ہوتی ہے اور تازہ مشاہدات کے علاوہ، چشم گریاں اور دل بریاں کی کیفیت بھی چھلک پڑتی ہے، سچ یہ ہے کہ حرمین کے اصل سفرنامے وہی ہیں، حقیقت میں سفرنامہ صرف تاریخی واقعات اور کسی فرد کی ذاتی روداد اور ترجمانی کا نام نہیں، بلکہ سفرنامۂ حرم میں عشاق کی قلبی تصورات کی رنگینی اور ان کے سوز دروں کی تاثیر شامل ہونی ضروری ہے، یہی آمیزش اس تحریر کو دو آتشہ اور سدا بہار بناتی ہے۔ اس طرح کی تحریریں اور مؤلفات صدیوں زندہ رہتی ہیں اور پڑھنے والوں کو گداز قلب اور آنکھوں کو غسل صحت کی نعمت عطا فرماتی رہتی ہیں۔

اردو میں ایسے سفرناموں کی روایت خاصی پرانی اور دراز ہے، کہا جاتا ہے کہ اردو میں ''حرمین شریفین'' کا پہلا سفرنامہ، مولانا نواب صدیق حسن قنوجی بھوپالی کی روداد سفر حج ''رحلة الصديق الى البيت العتيق '' ہے۔ اس وقت سے آج تک اس روایت میں متواتر اضافہ ہو رہا ہے، اسی سلسلہ کا ایک یادگار زیر نظر سفرنامہ بھی ہے۔

مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی (ولادت ۲۹ ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء، وفات ۵/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۸/ اکتوبر ۱۹۸۸ء سہ شنبہ) ہند-پاکستان کے دینی، علمی، تصنیفی حلقوں میں، کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ مولانا بلند مرتبہ مصنف، محقق اور مترجم تھے۔ حضرات سلسلہ نقشبندیہ، مجددیہ، حضرت شاہ ولی اللہ علمائے خاندانِ ولی اللٰہی اور اس کے متاخر اکابر و علماء تک کے احوال و سوانح اور ان کے دینی، علمی باقیات، مولانا کی دلچسپی کا خاص موضوع تھے، مولانا فریدی نے ان موضوعات کے متعدد نادر آثار دریافت کیے، ان کو اردو ترجمہ اور مفید تعلیقات و حواشی کے ساتھ شائع کیا، ایسی ہی مفید دریافتوں میں سے ایک اہم دریافت، حضرت شاہ ولی اللہ کے شاگرد مولانا رفیع الدین فاروقی مرادآبادی کا سفرنامہ حج بھی ہے۔ یہ سفرنامہ فارسی میں تھا، مولانا فریدی نے اس نادر نسخے کے متن کی تصحیح کی، اردو

میں ترجمہ کیا، اور ضروری مختصر حاشیے لکھ کر ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ میں شائع کرادیا۔

یہ سفرنامہ اور خدمت خود حضرت مولانا کے لیے سفر حج کی نوید و تمہید بنا، اس کی اشاعت کے بعد، مولانا فریدی صاحب کو ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۱ء میں سفر حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ وہ دور تھا کہ جب سفر حج واقعۃً عشق و محبت کا قربانی کا، مجاہدے کا، خدا ترسی اور اپنی اصلاح و تربیت کا سفر ہوتا تھا۔ اس کے لیے خاصی قربانی دینی ہوتی تھی، بحری جہاز سے کم از کم ہفتہ دس دن کا سمندر کا سفر کرنا ہوتا تھا، جس میں ہر اک مسافر خصوصاً حج کے لیے جانے والا، جب بمبئی بندرگاہ سے دور ہو کر، سمندر میں پہنچتا تھا اور یہ محسوس کرتا تھا کہ اب اس کا دنیا کی چکا چوند اور افراد سے کوئی رابطہ نہیں رہا اس گھرے خطرناک نیلگوں سمندر میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہ کوئی رفیق و غمخوار رہے نہ یار و مددگار، اس وقت دل میں اخلاص کی جو کیفیات اٹھتی تھی اور جو تعلق مع اللہ نمودار اور بیدار ہوتا تھا، وہ سفر حج کی زحمتوں کو آسان اور اس کی لذتوں کو کئی گنا بڑھا دیتا تھا۔ اس وقت حاجیوں پر کیف و سرور، لذت حضور اور شوق و ارفتگی کا عجیب عالم ہوتا تھا، جو سفر حج کی مشقتوں، زحمتوں، بھوک پیاس اور دنیاوی سامان کے نہ ملنے سے بے چارگی کی کیفیات مزا بخشتی تھیں، دل کو خاص لذت نصیب ہوتی تھی اور دفور شوق میں کبھی کبھی ان زحمتوں کے لئے بھی "ھل من مزید" کی صدائیں بلند ہوجاتی تھیں۔

مولاؔنا فریدی نے ان ہی دنوں یہ سفر کیا، مولانا تو صاحب دل تھے، ادیب تھے، شاعر تھے، اہل قلب کی روحانی کیفیات سے آشنا اور قدیم سفرناموں کی روداد و اطلاعات کے علاوہ، ان کی جذب و کشش اور "ہر چہ از دل خیزد و بر دل ریزد" والے احوال سے آگاہ تھے۔ اس لئے برمحل تھا کہ مولانا فریدی صاحب پر ان کیفیات کا اوروں سے زیادہ اثر ہو، وہ ان لذتوں اور نعمتوں سے اوروں سے بڑھ کر لطف اندوز ہوں گہرا احساس کریں، ایسا ہی ہوا۔ مولانا فریدی نے اپنی اس سرگذشت اور حرمین کے آغاز سفر سے اختتام سفر تک کی منزلوں، مشکلات و مراحل، آداب و مسائل، لائق صد زیارت و دید مقامات اور ان کے

علاوہ وہاں جو کچھ پایا، دیکھا سنا،ان کی مختصر مختصر جھلکیاں اپنی اس تحریر میں بکھیر دی ہیں۔جس میں مرتب کے قلبی احوال کے علاوہ، لائق توجہ اکثر ضروری پہلوؤں گوشوں کا تذکرہ آ گیا ہے'جوآپ بیتی بھی ہےاورتاریخ تذکرہ بھی۔اس میں پڑھنے والوں کے لئے تسکین دل کا سامان بھی ہے اور اس وقت کے حالات حرمین کا مناسب حال تذکرہ بھی۔اس میں فاضل مؤلف نے جوخودعلم وتحقیق کے جویا تھے،حرمین شریفین کے ایسے علماء اوراہل کمال سے متعارف کرایا ہے جن کے علم کا چشمہ رواں اورجن کے مآثر موجود تھے،اور ایسے علماءاورمشائخ کا بھی تذکرہ آیا ہے جو ہند۔پاکستان سے وطنی تعلق رکھتے تھے،حرمین کی زیارت کے لئے حاضر تھے،یاوہاں مستقل قیام پذیر تھے۔اسی طرح بعض کتب خانوں اور ان کے نوادرومخطوطات کا بھی ذکر کیا ہے،جن سے برصغیر کے اہل علم وذوق کم واقف تھے یعنی سفرنامہ ایسے اکثر لوازمات سے پر ہے،جوحرمین کے سفرنامہ کومعنویت عطا کرتے ہیں۔مفید بناتے ہیں،اوران سے دیرتک استفادہ کا سبب بنتے ہیں۔اس لیےتوقع ہے کہ مولانا فریدی کا یہ سفرنامہ اس تازہ اشاعت کے بعد، حرمین کے قابل ذکر سفرناموں میں گنا جائے گا،اس سے مطالعہ واستفادہ کا دائرہ وسیع ہوگا اورعرصہ تک زندہ وتازہ رہے گا۔

آخر میں اس کتاب کی تازہ اشاعت کے لیے مولانا فریدی کے کاتب، مرتب مسودات اور خادم خاص،مولانا محب الحق صاحب دام مجدہ مقیم امروہہ کومبارکباد پیش کرتا ہوں،مولانا ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ مولانا نے اس نادرتحریرکورسائل کے ذخیرہ میں تلاش کر کے مرتب کیااوراس کونئی طباعت کے لیےپیش کررہے ہیں،مولانااس وجہ سے لائق تحسین بھی ہیں اور قابل رشک بھی، کہ مولانا کی کوشش اور حسن توجہ سے مولانا فریدی کے علمی آثار مرتب ہوکر نئے قالب میں جلوہ گر ہورہے ہیں۔تذکرہ مولانا سید احمد حسن امروہی اور مولانا فریدی کے علمی مقالات کا گراں قدر مجموعہ مقالات فریدی کے نام سے تین جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔حکیم الامت مولانا تھانوی کے ملفوظات کا عمدہ انتخاب

''حضرت تھانوی کی محفل ارشاد'' بھی شائع ہوکر جلوہ گر ہو چکا ہے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے مکتوبات کا انتخاب ''جواہر پارے'' کے عنوان سے زیر اشاعت ہے، ان کے علاوہ مولانا کے اور بھی کئی علمی منصوبے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو عمدہ طریقے پر مکمل کرائے۔ مولانا محب الحق صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے ان سب کی تصحیح مقابلہ اور طباعت کا اہتمام کیا۔

میرے خیال میں اس میں مولانا فریدی کے حسن تربیت اور اخلاص کے علاوہ، مولانا محب الحق صاحب کی لائق تقلید احسان شناسی کا بھی بڑا خاص حصہ ہے، جس کی وجہ سے مولانا محب الحق صاحب اپنے مربی کے مضامین وافادات اور علمی آثار کی تلاش وجستجو اور اشاعت میں ہر وقت مصروف ومنہمک رہتے ہیں اور یہ سعادت ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔

نور الحسن راشد کاندھلوی
مفتی الٰہی بخش اکیڈمی،
مولویان، کاندھلہ، مظفر نگر (یو. پی.)
۱۳ر شعبان ۱۴۳۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از: مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، مراد آباد

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد:

سادگی، فنائیت، تواضع اور بے نفسی سے انسان کو جو بے مثال عروج اور قبولیت نصیب ہوتی ہے اس کی ایک تابندہ مثال ہمارے مشفق ومربی بزرگ، مخدوم گرامی قدر، حضرت اقدس مولانا مفتی نسیم احمد فریدی نور اللہ مرقدہٗ کی ذات بھی تھی، اللہ تعالیٰ نے آں موصوف کو بے نظیر قوتِ حافظہ، علمی استحضار اور فہم وفراست سے سرفراز فرمایا تھا؛ لیکن آپ کی زندگی کے کسی بھی انداز سے آپ کے علمی رتبہ کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا، آپ نے پوری زندگی "کن فی الدنیا کعابری سبیل" (دنیا میں مسافر کی طرح رہو) کی عملی تعبیر بن کر گذاری، اور آپ زہد فی الدنیا، ورع وتقویٰ اور محبت صالحین کے روشن نقوش چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

آپ تادم حیات علمی مشاغل میں مشغول رہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے بافیض خانوادے، اسی طرح حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کے علوم سے آپ کو عشق کے درجہ کا تعلق تھا، اور اس بارے میں آپ کے اشہب قلم سے جو جواہر پارے صادر ہوئے وہ اپنے موضوع پر حرفِ آخر کی حیثیت رکھتے ہیں، آپ کے بہت سے مضامین بعد میں کتابی شکل میں شائع ہو گئے؛ لیکن بہت سے مضامین ابھی تک رسالہ ''دار العلوم دیوبند'' اور رسالہ ''الفرقان'' لکھنؤ وغیرہ کے پرانے فائلوں میں محفوظ ہیں۔ حضرت مفتی صاحب موصوفؒ کے بھی کفش برداروں کی طرف سے جناب مولانا محب الحق صاحب مدھوبنی سابق دربھنگوی زیدکرمہم شکریہ کے مستحق ہیں کہ

موصوف نے حضرت مفتی صاحبؒ کے نادر مقالات ومضامین کو شائع کرنے کا سلسلہ شروع فرمار کھا ہے، قبل ازیں ''مقالاتِ فریدی'' کی شکل میں دو جلدوں میں آپ نے کتاب شائع فرمائی ہے، اور اس وقت موصوف حضرت مفتی صاحب کا ایک سفرنامہ حج شائع کرنے جارہے ہیں، جو حضرت مفتی صاحب نے آج سے ۵۲ر سال پہلے تحریر فرمایا تھا اور جو ''الفرقان'' لکھنؤ میں قسط وار شائع ہوا تھا، اور اس کی پرانے فائلوں میں محفوظ تھا۔

یہ سفرنامہ بیش قیمت افادات ومعلومات پر مشتمل ہے، جس کا اندازہ قارئین کو مطالعہ سے ہوجائے گا، بہت سی معاصر شخصیات کے بارے میں اپنے تأثرات اور حرمین شریفین حاضری کے وقت اُمڈنے والے جذبات، کو حضرت مفتی صاحبؒ نے جس طرح الفاظ کے قالب میں ڈھالا ہے وہ بڑے خاصے کی چیز ہے۔

میں ذاتی طور پر مکرمی جناب مولانا محبّ الحق صاحب زید کرمہم کو مبارک باد دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے موصوف کو اس نادر سفرنامہ کی اشاعت کی توفیق ارزانی فرمائی، اللہ تعالیٰ موصوف کی کاوش کو قبول فرمائیں اور اس سلسلہ کی مزید خدمات انجام دینے کی سعادت سے نوازیں، آمین۔

والسلام

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

۱۸ر رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

۲۲ر جون ۲۰۱۱

تاثرات

از: ڈاکٹر سید محمد طارق صاحب (مہتمم جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ)

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ شہر امروہہ کی نامور ترین علمی، ادبی اور دینی شخصیات میں سے ایک تھے۔ آپ نے اپنی تمام زندگی درس و تدریس کی ذمہ داریوں کے ساتھ علمی، دینی، تبلیغی اور ایک مخصوص روحانی ماحول بنانے اور دین اسلام کی نعمتوں کو اپنے زبان و قلم کے ذریعہ عوام میں عام کرنے اور اس کی خوبیوں کو اپنی فطری صلاحیتوں کے وسیلے سے مقبول و محبوب بنانے میں بسر کی۔ وہ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں کے ماہر اور مزاج شناس ہی نہیں مبلغ اور مصنف بھی تھے۔ آج پریس کے عام چلن کے نتیجہ میں ہر طرح کی کتابوں تک رسائی جس قدر عام ہو چکی ہے وہ ان کے زمانہ میں میسر نہ تھی۔ اس کے باوجود نادر، کمیاب کتابوں کی خریداری، دور دراز سفر طے کر کے اہم اور نایاب تصانیف تک رسائی حاصل کر کے ان قیمتی مخطوطات کا مطالعہ فرماتے اور ان کے بارے میں اہم اطلاعات بلکہ اکثر اوقات مخصوص مخطوطوں کی تلخیص اور ان کے مصنفین کے بارے میں اہم اور ضروری معلومات بھی اہل علم و صاحبانِ ذوق تک پہنچانا ان کا خصوصی مشغلہ رہا۔

بزرگانِ دین و صوفیاء کرام کے حالات و واقعات اور ان کے علمی و روحانی تبرکات کا دیدار کرنے، ان کے ملفوظات و مخطوطات کے مطالعہ کو ممکن بنانے اور عام کرنے کے لیے ملک کے دور دراز علاقوں کی بستیوں تک پہنچ کر ان تبرکات کا مطالعہ کرنا اور ان کی معلومات کو اپنے قلم کے ذریعہ شائقین تک پہنچانا ان کا شوق اور اس عظیم کام کے لیے اپنی کمزوری اور نقاہت کے باوجود دور دراز کے مقامات تک رسائی ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ چنانچہ ملک کے تقریباً سب ہی مقتدر و معتبر دینی و علمی رسائل و جرائد میں ان کی قلمی کاوشوں کی رنگارنگیاں دیکھی اور معائنہ کی جا سکتی ہیں۔

عزیزی مولانا محب الحق صاحب مولانا فریدیؒ کے شاگرد بھی رہے ہیں اور خادم و مصاحب خاص بھی اور ایک زمانہ تک مولانا فریدیؒ کے ساتھ ان کے علمی سفروں میں شریک سفر بھی، عرصہ دراز تک آپ مولانا محترم کے علمی، تحقیقی اور تاریخی مطالعہ اور علمی سرمایہ کو اپنے قلم کے ذریعہ تحریر کر کے مضامین و تصنیفات کی شکل دے کر قارئین تک پہنچانے میں

مصروف رہے ہیں۔

حضرت مولانا فریدیؒ کے انتقال کے بعد مولانا محبّ الحق صاحب نے حضرت مولانا فریدیؒ کی علمی، مساعی اور تصنیفی ہدایا کو کتابی شکل میں مجتمع کر کے پریس کے ذریعہ عام کرنے اور شائقین علم وادب تک پہچانے کا بیڑہ اُٹھایا ہے۔ چنانچہ ان کی کوششوں سے حضرت مولانا فریدیؒ کی متعدد تصانیف جواب تک رسائل وجرائد کی زینت بنی ہوئی تھیں ان کے چار پانچ مجموعے اہل ذوق تک پہنچ چکے ہیں۔

زیر نظر تصنیف جو حضرت مولانا فریدیؒ کے سفر حرمین شریفین کے پاکیزہ وروحانی تاثرات وعلمی تحائف کی حیثیت رکھتے ہیں، مرتب ومدون ہو کر مطالعہ کے ذریعہ اپنے ذہن ودماغ کو معطر اور دیدہ ودل کو منور کرنے کے لیے آپ کے ہاتھوں میں ہے جو حضرت فریدیؒ کے پاکیزہ تصورات کا عطر فشاں نمونہ ہے اور مولانا محبّ الحق صاحب کے علمی خلوص ومحبت کا عطر آگنیں گلدستہ ہے۔

حضرت مولانا فریدیؒ ایک پاکیزہ علمی ذہن اور معطر فکری دماغ کے حامل تھے ان کے خیالات کی بالیدگی اور شاعرانہ جذبات کی تاثیر پذیری حرمین شریفین کے روح پرور ماحول کو جو محبوبیت وسرشاری عطا کرتی ہے وہ تحریر کی ہر ہر سطر بلکہ ہر ہر لفظ کو فردوسِ گوش وجنت ذہن ودماغ بنا رہی ہے۔ حجاز مقدس کے سفر کے سلسلے میں لکھے جانے والے سفرناموں کی تعداد اب الحمدللہ اچھی خاصی ہو چکی ہے اور ہر ایک اپنی خوبیوں کے اعتبار سے مخصوص انفرادیت کا حامل ہے۔ اس سفرنامہ کی انفرادیت یہ ہے کہ مصنفؒ بیک وقت عالم دین بھی ہیں اور مفتی بھی، مشہور شاعر بھی ہیں اور وہ بھی صرف اور صرف حمد ونعت کے شیدائی یعنی ایک مکمل دماغ دوسرا سراپا دل دونوں کا نقطۂ نظر لاکھ ایک سہی انداز تاثر یقیناً مختلف ہوگا۔

مولانا فریدیؒ کے اس سفرنامہ میں عالم کا دماغ، شاعر کی نظر اور عاشق کے جذبات کے امتزاج نے اس پاکیزہ تصنیف کو فردوسِ نظر اور جنت گوش وہوش بنا دیا ہے۔ پڑھنے والا جس ذوق کا حامل ہے اس کی تشنگی اس کی طلب کے مطابق ان صفحات میں حاصل ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

محمد طارق

۳۰؍اپریل ۲۰۱۱ء

موجِ نسیمِ دلکشا

از: مولانا حافظ جنید اکرم فاروقی امروہی

مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ (متوفی ۱۸؍اکتوبر ۱۹۸۸ء) فطری انشاء پرداز شاعر اور ادیب تھے۔ ان کا علم، ان کا تجربہ اور ان کی ذہانت ان کی تحریروں میں بولتی ہے۔ مفتی صاحبؒ بیس کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں۔ ان کے علاوہ مختلف رسائل میں بکھرے ہوئے ان کے مضامین ہیں جنہیں ان کے شاگردِ رشید مولانا محبّ الحق صاحب تلاش وجستجو کے بعد کتابی صورت میں اشاعت کا عزم کئے ہوئے ہیں۔

مفتی صاحبؒ ۱۹۶۱ء میں زیارت حرمین شریفین کے لیے تشریف گئے تھے۔ ان کی نگاہ عام زائرین سے بلند، دماغ ان سے زیادہ عکس پذیر اور دل اُن سے بڑھ کر لطف اندوزی کرنے والا تھا۔ ان کی نگاہِ بصیرت پناہ نے وہاں کے وجدان پرور بہار آگیں نظاروں کی زیارت کی۔ ان کے دل و دماغ نے انھیں محفوظ کیا اور ان کے قلم معجز رقم نے انھیں صفحۂ قرطاس پر نجوم و کہکشاں کی طرح سجا دیا اور عام ناظرین کے تسکین دل و نگاہ کا سامان فراہم کر دیا۔ ایمان افروز مناظر کے ذکر میں مفتی صاحبؒ کا اندازِ بیان اتنا پُر لطف اور وجد آگیں ہے خاص طور پر حرم ''مکہ'' کی جلوہ سامانیوں اور سبزۂ طیبہ کی عطر فشانیوں کے بیان میں وہ دھوم ہے کہ پڑھنے والا جھوم جھوم اُٹھے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ قاری کو اپنے ساتھ لے کر منازل ایمان و عرفان کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے چل رہے ہیں۔ جا بجا ایسی پُرکشش اور پُر تاثیر عبارتیں ہیں جو دامن دل کو اس انداز میں کھینچتی ہیں کہ ''میاں آگے کہاں چلے جا رہے ہو ذرا پیچھے چلو اور ٹھہر ٹھہر کر ان بہشت نظر اور فردوس آغوش مقامات کا نظارہ کرو۔ ان جملوں سے پورا حظ اُٹھاؤ۔''

اختصار کی خاطر میں انھیں نقل نہیں کر رہا ہوں۔ آپ خود پڑھیں گے تو آپ کا

ذوق سلیم ان روشن تر مقامات پر آپ کو ٹھہرا دے گا اور آپ کا شوق بے اختیار پکارے گا۔

جنوں کو میرے اے اللہ صحرائے حجازی دے
کبھی مکے پہنچ جاؤں کبھی طیبہ نکل جاؤں

جن حضرات کو حضرت مفتی صاحب ؒ کی گفتگوے دل پذیر سننے کا حسن اتفاق نصیب ہوا ہے وہ یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ سفر نامہ ''حرمین شریفین'' کے الفاظ ان کے قلم سے نہیں بلکہ ان کی زبان سے ادا ہو رہے ہیں اور ہم انھیں پڑھ نہیں رہے ہیں ان کے روبرو بیٹھے ہوئے انھیں سن رہے ہیں۔ گویا ان کا قاری قاری نہیں بلکہ ان کا مخاطب ہے اور وہ اپنی دلکشا مسکراہٹ اور دل خوش کن انداز میں گفتگو کر رہے ہیں۔ ان کے تکلم کی حلاوت ان کی عبارات میں گھلی ہوئی ہے اور ان کے تبسم کی موج نسیم بین السطور مسکرا رہی ہے۔

مفتی صاحب ؒ کا یہ اسلوب ان کی دیگر تصانیف کی بہ نسبت سفر نامہ میں بہت زیادہ نمایاں ہے اور یہ اثر ہے ان عشق و آگہی کے مراکز کی زیارات کے اس شوق بے پناہ اور جذبہ فراواں کا جو ہوش رُبا اور کیف زا و روح فزا ہے۔ غالبؔ نے لکھا ہے ''میں نے مراسلے کو مکالمہ بنا دیا ہے۔'' مراسلے کو مکالمہ بنانے میں غالبؔ کے شعور کو دخل ہے لیکن ''سفر نامہ فریدی'' میں یہ انداز یعنی تحریر میں تقریر کی لذت خداداد محسوس ہوتی ہے۔ زیارت حرمین شریفین کے بعد ارض مقدس میں مفتی صاحب ؒ کی دوسری تڑپ جو ان کی فطرتِ ثانیہ تھی یعنی تلاش علم و جستجوئے کتب پوری طرح جولانی پر ہے۔ ایک جنوں ہے جو انھیں حریم کعبہ میں طواف کے لیے کھینچ لاتا ہے اس سے فارغ ہوتے ہیں تو دوسری کیفیت طاری ہوتی ہے۔ لیلائے کتب کی لگن کتب خانوں اور لائبریریوں کے آئینہ خانوں میں لے جاتی ہے کوئی نادر قلمی کتاب ہاتھ لگتی ہے تو اس کے خد و خال اور جمال و کمال کا تعارف بڑے دل نشیں اور والہانہ انداز میں کراتے ہیں کہ لفظ لفظ سے ان کی مسرت و شادمانی کا احساس ہوتا ہے۔ کتابوں کے ذکر و تعارف نے اس سفر نامہ کو امتیازی علمی شان عطا کر دی ہے۔ اس لیے

یہ کتاب ان اہل دل کے لیے جو گہرا علمی شغف رکھتے ہیں ایک قابل قدر تحفہ کی حیثیت رکھتی ہے جو بہت سے علمی نوادر کی نشاندہی کرتا ہے۔ نیز یہ سفرنامہ صرف سفرنامہ ہی نہیں بلکہ بہت سے اہل علم اور اہل دل کا تذکرہ بھی ہے۔ اس طرح یہ سفرنامہ اپنی مذکورہ دونوں خصوصیات کی وجہ سے ایک مستند حوالے کی کتاب بن گئی ہے۔ مولانا محبؒ الحق صاحب مدظلہ مفتی صاحبؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ نیز ان کے خاص خدمت گزار رہے ہیں۔ بالخصوص کتابیں پڑھ کر سنانا، مضامین اور کتابوں کا املا کرنا آپ کی خاص ذمہ داری تھی۔ آپ کو اپنے استاذ محترم سے بڑی محبت وعقیدت اور ان کے تحریری کارناموں سے والہانہ لگاؤ ہے۔ آپ مفتی صاحبؒ کے مضامین مختلف رسائل سے تلاش کر کے کتابی شکل میں اشاعت کے لیے بڑی سرگرمی سے سرگرداں ہیں۔ اس سلسلے میں آپ نے "مقالاتِ فریدی" کے نام سے مفتی صاحبؒ کے مضامین کی دو جلدیں شائع فرما چکے ہیں اور ابھی یہ سلسلہ دراز ہے۔ مقالاتِ فریدی نے علمی حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل کی ہے۔ مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ کی سوانح حضرت مفتی صاحبؒ نے ماہنامہ "دارالعلوم دیوبند" کے ۹ شماروں میں شائع کرائی تھی۔ مولانا محبّ الحق صاحب نے بڑی محنت سے اسے حاصل کیا اور حسب موقع اضافوں کے ساتھ مع مفید حواشی کتابی شکل میں سید العلماء کے نام سے اسی سال شائع فرمائی ہے۔

مفتی صاحبؒ کا سفرنامہ حج بھی مولانا محبّ الحق صاحب نے بڑی کاوش سے فراہم کیا ہے جو ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ میں ۱۹۶۱ء کو بالاقساط جمادی الاولی ۱۳۸۱ھ سے رمضان ۱۳۸۱ھ تک شائع ہوا تھا۔

اس گنجینہ علم و آگہی اور میخانہ جذب و مستی کی اشاعت مولانا محبّ الحق صاحب کی سعادتِ دارین کی دلیل ہے اور اس کے لیے وہ لائق تبریک و تحسین اور ان کا یہ جذبہ قابل صد مرحبا و وجہ ہزار آفرین ہے۔

۲۰/۰۴/۰۹ جنید اکرم فاروقی امروہہ

مولانا مفتی نسیم احمد فاروقی فریدی امروہیؒ

امروہہ شمالی ہندوستان کی ایک مردم خیز بستی ہے جس کو بڑے بڑے علماء فضلاء، صوفیاء، اولیاء، شعراء، اور صاحبانِ علوم وفنون کا مولد ومسکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس شہر کو یہ بھی امتیاز ہے کہ یہاں تقریباً تمام مروّجہ سلاسل طریقت کے مشائخ نے اپنے اپنے عہد میں چشمہ ہائے فیوض وہدایت سے مخلوق کو سیراب کیا ہے۔ یہاں ہر دور میں بڑے بڑے باکمال علماء ہوئے اور بعض خاندانوں کو یہ امتیاز حاصل رہا کہ اس میں نسلاً بعد نسلٍ بڑے بڑے ذی علم اور حاذق اطباء پیدا ہوتے رہے جنھوں نے خدمت خلق کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ فنِ شاعری میں بھی امروہہ نے کافی نام پیدا کیا۔ شمالی ہندوستان کے مثنوی گو شاعر اسمٰعیل امروہوی اور صاحب دواوین شاعر مصحفی امروہوی کے وطن ہونے کا شرف بھی امروہہ کو حاصل ہے۔ یہاں ہر دور میں باکمال شاعر پیدا ہوتے رہے ہیں۔ چودہویں صدی کے انتیسویں سال ۱۳۲۹ھ موافق ۱۹۱۱ء میں اللہ نے حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہی کے وجود باجود سے اس خطہ خاک کو شرفِ تقدس بخشا۔

مولانا فریدیؒ جامع کمالات شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نہایت متقی، عبادت گزار، نیک طینت، درویش صفت عالم تھے۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تحریر وتقریر تصنیف وتالیف، ادب اور شاعری میں بڑا کمال حاصل تھا۔

مولانا فریدیؒ نے ایک ایسے علمی ودینی گھرانے میں آنکھیں کھولیں جس میں علم و فضل اور فقر ودین کی کئی پشتوں تک مسلسل اور مربوط روایات ملتی ہیں۔ آپ کے یہاں پرانی قدروں کا اہتمام اور مشرقی تہذیب کا احترام تھا۔ آپ دل و دماغ کی نادر خوبیوں سے آراستہ فراخ دل اور علم دوست تھے۔ مولانا فریدیؒ شروع ہی سے ذہین وذکی اور علم کے شوقین تھے۔ اللہ نے علم وقلم کا عمدہ سلیقہ بچپن سے ودیعت کیا تھا بلکہ تصنیف وتالیف اور تحقیق

وتنقید کا ذوق آپ کے خاندان اور خاندان کی دیگر شاخوں میں بہت پہلے سے چلا آرہا تھا اگر شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندیؒ اور ان کے خانوادہ کو نیز صاحب "شمس بازغہ" ملا محمود فاروقی جون پوریؒ صاحب "شرح سلم العلوم" قاضی مبارک فاروقی گوپا موئیؒ، حضرت مولانا حاجی امداداللہ فاروقی مہاجر مکیؒ، شیخ محمد فاروقی محدث چشتی تھانویؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصنیفات وتالیفات کو بھی شامل کرلیا جائے تو دائرہ بہت وسیع ہو جائے گا اور مزید اوپر جاکر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے خانوادہ کو بھی اس میں شامل کرلیا جائے تو یہ دائرہ وسیع تر ہو جائے گا اس سے قطع نظر کرتے ہوئے مولانا فریدیؒ اور ان کے خاندان کی خدمات کی طرف لوٹتا ہوں۔

مولانا فریدیؒ کے دادا کے برادر معظم مولوی ارشاد علی فاروقی مرحوم نے متعدد کتابیں تصنیف کیں خصوصاً "بشیر المدائح، بشیر النصائح، بشیر الانشاء، مصدر ارشاد اور انشاء ارشاد" مشہور ومعروف ہیں اور یہ تمام کتابیں اس زمانے میں مدارس میں داخل نصاب تھیں۔ بعد کی کڑیوں میں آپ کے خواہر زادے پروفیسر خلیق احمد فاروقی نظامی مرحوم سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ وسفیر شام اور برادر زادے ڈاکٹر نثار احمد فاروقی مرحوم سابق صدر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی دہلی برصغیر کے مایہ ناز صاحب قلم اور ادیب تھے۔ مولانا فریدیؒ کی پوری زندگی علم وقلم اور درس وتدریس کے لیے وقف تھی وفات تک آپ کا قلم جاری وساری رہا اور آپ کی تمام کتابوں نے اپنی افادیت کے لحاظ سے شہرت دوام حاصل کی ہے۔

مولانا فریدیؒ نے اپنے مضامین اور اپنی کتابوں کے ذریعہ اردو کو برصغیر میں پروان چڑھایا اور آپ کے جو مضامین کتابی شکل میں آگئے ہیں ان میں سے چند کتابیں یہ ہیں:

تذکرہ خواجہ باقی باللہ مع خلفاء اور صاحبزادگان، تجلیات ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ترجمہ اور تلخیص، مکتوبات معصومیہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوبات کا ترجمہ وتلخیص،

نادر مکتوبات شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، تذکرہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، قافلہ اہل دل، ہندوستان کا سب سے پہلا سفر نامہ حجاز، تذکرہ شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ، سلسلہ ولی اللّٰہی کا ایک گمنام درویش شاہ ابوسعید حسنی رائے بریلی، تذکرہ شاہ عبدالرحیم وابورضا محمد، مکتوبات اکابر دیوبند، وصایا حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، فرائد قاسمیہ، مکتوبات سید العلماء وغیرہ۔

مولانا فریدیؒ کی علمی و تحقیقی کاوشوں کا جن اہل علم نے اعتراف کیا ہے ان کے اسماء یہ ہیں: آپ کے پیر و مرشد شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی امروہیؒ، مولانا محمد منظور نعمانیؒ (بانی ماہنامہ الفرقان لکھنؤ)، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، محدث جلیل مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ، مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ (سابق مدیر ماہنامہ برہان، دہلی)، شاہ معین الدین احمد ندویؒ (سابق مدیر معارف اعظم گڑھ)، مولانا عامر عثمانیؒ (سابق مدیر ماہنامہ تجلی، دیوبند)، مولانا سید اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ، مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی (سابق مدیر ماہنامہ الفرقان لکھنؤ)، مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی (مدیر ماہنامہ الفرقان لکھنؤ)، مولانا عبدالحمید نعمانی، مفتی محمد سلمان منصورپوری، مولانا زین العابدین (استاذ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم جدید سہارنپور)، برصغیر کے عظیم محقق مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی۔

مولانا فریدیؒ کی عمر تقریباً ۷۶ سال کی ہوئی۔ آپ کا وصال ۵؍ربیع الاول ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۸؍اکتوبر ۱۹۸۸ء یوم سہ شنبہ کو ہوا۔

گذر جائیں گے اہل درد رہ جائے گی یاد ان کی
وفا کا درس جب ہوگا تو ان کے ذکر پر ہوگا

خاکپائے حضرت فریدی محب الحق
خادم التدریس جامعہ اسلامیہ عربیہ،
جامع مسجد، امروہہ

سفرنامہ کی جھلکیاں

قارئین کی دلچسپی کے خیال سے اس سفرنامے کی مختصر جھلکیاں پیش کی جارہی ہیں؛ تاکہ معلوم ہو کہ حضرت مولانا فریدیؒ نے کس جذبے کے ساتھ اپنایہ سفرنامہ حج لکھا ہے اور مقامات مقدسہ کی کس دلچسپ انداز میں منظر کشی کی ہے، تفصیل تو آپ سفرنامہ کے اندر پڑھیں گے، یہاں صرف چند مقامات کی جھلکیاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے، مسجد الحرام میں پہنچ کر مولانا فریدیؒ نے اپنے جذبات کا کس انداز میں اظہار کیا ہے:

''مغرب کی نماز کے وقت حرم مکہ میں داخل ہوئے، داخلے کے وقت جذبات کا جو عالم تھا اس کو نہ پوچھئے، کیا یہ حرم مقدس ہے؟ یہ وہی مقام ہے جس کے دیدار کی تمنا مدت سے دامن گیر تھی؟ اس کو کم از کم خواب ہی میں دیکھ لینے کا ارمان تھا؟ ہاں ہاں! یہ وہی محترم و معظم مقام ہے، یہی مکہ معظمہ ہے، یہی خانہ کعبہ ہے، جو ایک عظیم المرتبہ مکان ہے، جس کو اللہ کے رسول حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے خلوص کے ہاتھوں سے تعمیر کیا تھا، جس کی کشش اتنی زبردست ہے کہ لاکھوں فرزندانِ توحید پیدل، بحری جہاز سے، ہوائی جہاز سے، موٹروں سے، اونٹوں پر کشاں کشاں چلے آرہے ہیں، جوق در جوق آرہے ہیں، دنیا کے چپہ چپہ سے آرہے ہیں، ان میں کالے بھی ہیں، گورے بھی ہیں، امیر بھی ہیں غریب بھی ہیں، عالم بھی ہیں، جاہل بھی ہیں، جو ان کے سینوں میں موجود ہے، ایک جذبہ ہے، جو ان کو لا رہا ہے، ایک کیف ہے جو ان پر طاری ہے، کفن بردوش

آرہے ہیں "لبیک اللھم لبیک" کی صدائیں ہیں جو مکہ کی وادیوں میں گونج رہی ہیں، سب کے سب عجیب والہانہ انداز سے آرہے ہیں...."

مکہ مکرمہ سے مولانا فریدیؒ اور ان کے قافلے کی روانگی مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً کے لیے ہوتی ہے، راستہ میں وہ تاریخی میدان ہے جس کو "بدر" کہا جاتا ہے، جہاں اسلام اور کفر کی سب سے پہلے معرکہ آرائی ہوئی، اس میدان میں پہنچ کر مولانا فریدیؒ میدان بدر اور شریکانِ اسلام کی دل آویز اور پرکیف انداز میں اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں، پڑھیے اور اپنے ایمان وایقان کو جلا بخشیے، مسطورہ سے جہاں مولانا فریدیؒ نے رات گزاری ہے وہاں سے تھوڑے سے فاصلہ پر میدان بدر ہے، لکھتے ہیں:

"وہ تاریخی میدان ہے، جہاں پر تین سو تیرہ جانبازوں نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور دین حق کی حمایت میں سر دھڑ کی بازی لگائی تھی، اصحاب بدر کی بدولت آج تک ہفت کشور میں اسلام کی روشنی پھیل رہی ہے اور پھیلتی رہے گی، یہ وہ قدسی حضرات ہیں جن کے اسماء کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں، ان شمع ہدایت کے پروانوں کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے میدان بدر میں عرض معروض کرتے ہوئے جو فرمایا تھا اس کا مفہوم یہ تھا کہ: اے اللہ! یہ مٹھی بھر میرے ساتھی میری آج تک کی محنت کا نتیجہ ہیں، اس آسمان نیلگوں کے نیچے پوری کائنات میں میرے ان جانبازوں کے علاوہ توحید کے علمبردار اور داعی کہیں موجود نہیں ہیں، اگر یہ ختم ہو گئے تو پھر تیری پرستش قیامت تک نہ

ہو سکے گی، تیری ذات مستغنی ہے، اب تو جانے تیرا کام۔"

اب مولانا فریدیؒ کی بس میدان بدر سے مدینہ منورہ کی جانب رواں دواں ہے، مدینہ منورہ پہنچ کر مسجد نبویؐ کی دل آویز منظر کشی کی ہے اور جس جذبہ سے مسجد نبویؐ کا نقشہ پیش کیا ہے، وہ ہر صاحب ایمان کے پڑھنے کے لائق ہے، ارقام فرماتے ہیں:

"ظہر کی نماز تیار تھی، نائب مزوّر نے اپنی رہنمائی میں ہم کو باب جبرئیل سے مسجد نبویؐ میں پہنچایا، کیف ونشاط کا جو عالم تھا اس کو نہ پوچھیے، آرام گاہِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نظروں کے سامنے ہے، اس مسجد میں ہم نماز ادا کر رہے ہیں جو مدتوں مہبط وحی رہ چکی ہے، یہ مسجد نبوی ہے اس کی ایک ایک اینٹ، اس کا ایک ایک ستون، اس کا ایک ایک دروازہ، اس کا ایک ایک مینارہ؛ بلکہ ایک ایک ذرہ ایمان وایقان کے واقعات سے لبریز، ایک مستقل تاریخ ہے، اس کے بام ودر پر ایک ایسی خاموشی؛ مگر مکمل داستانِ ماضی ثبت ہے، جس کی سرخی خون دل سے لکھی گئی ہے۔"

یہاں سے مولانا فریدیؒ اور آپ کے رفقاء میدان اُحد اور مقامات مقدسہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوتے ہیں، میدان احد اور شہدائے احد کے متعلق رقم طراز ہیں:

"سید الشہداء حضرت حمزہؓ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر شہداء اس میدان میں زندگی جاوید کی دولت لیے ہوئے محو آرام ہیں۔ یہ ایک ایمان انگیز اور سکون خیز تقدس آثار میدان ہے، اس گنج شہیداں میں پہنچ کر صحابہ کرامؓ کی سرفروشی وجانبازی کی تاریخ زندہ حقیقت بن کر دل ودماغ پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اللہ اللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان پروانوں نے اپنی ایمانی قوت اور ایقانی طاقت کا کتنا حیرت انگیز مظاہرہ کیا تھا! اپنی عزیز جانیں اسلام پر

قربان کردیں، اپنے خون کے آخری قطرے اسلام کی عزت و ناموس پر نچھاور کر دیئے، ان قربانیوں ہی سے تو یہ شجر اسلام سرسبز و شاداب ہوا تھا، ان عشاق نے بے نظیر جرأت و استقلال سے کام لے کر اسلام کی لاج رکھ لی تھی، صفحات تاریخ میں کسی نبی کی امت میں ایسے باہمت و وفا شعار، سرفروش و جانباز اور بلند کردار انسان ڈھونڈے سے نظر نہ آئیں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے درد و عشق کا ایک ذرہ ہی نصیب فرمادے۔ ''آمین

خاکپائے حضرت فریدی محبّ الحق

خادم التدریس جامعہ اسلامیہ عربیہ،

جامع مسجد، امروہہ

تمہید

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے امسال حج و زیارت کی توفیق عطا فرمائی۔ میری بڑی تمناؤں میں سے یہ تمنا بھی تھی کہ بیت اللہ اور روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو شاد کام کروں۔

اللہ تعالیٰ نے اس تمنا کو پورا فرمایا۔ اس کے کتنے احسانات ہیں جو آج تک اس بندۂ ناکارہ پر ہوئے ہیں۔ دولت ایمان دے کر "حرمین شریفین" کا دیدار کرا دینا بھی اس کا عظیم الشان احسان ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے اور خوب کہا ہے۔

مورِ مسکیں ہوسے داشت کہ در کعبہ رود ☆ دست بر پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

میرا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ حیرت انگیز طریقہ پر اللہ تعالیٰ نے اس سفر مقدس کے لیے اسباب مہیا فرمائے ہیں۔ اس فارسی شعر کو پیش نظر رکھ کر میں نے کبھی کہا تھا۔

مثلِ مور ناتواں ہیں اُس پہ ہے شوقِ حرم ☆ اے زہے قسمت اگر پائے کبوتر دیکھتے

ریاض خیرآبادیؒ کا یہ شعر مدتوں وردِ زباں رہا۔

کعبہ سنتے ہیں کہ گھر ہے بڑے داتا کا ریاضؔ ☆ زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا

الحمدللہ کہ فقیروں کا پھیرا ہوا اب اس داتا سے دعا یہ ہے کہ پھر بھی پھیرا ہو اور ہم فقیر اپنی جھولیوں کو مرادوں سے بھرتے رہیں۔

لوگ "کعبہ و گنبدِ خضرا" کی زیارت نہ ہونے پر اپنی قسمت کا گلہ کیا کرتے ہیں میں نے اس کے متعلق ایک شعر میں کہا تھا۔

اے فریدیؔ ہے عبث تم کو مقدر کا گلہ ☆ شوقِ دل پیدا تو کرتے پھر مقدر دیکھتے

شوقِ دل کا دعویٰ تو مجھے زیب نہیں دیتا لیکن بہر حال اس دولت عظمیٰ سے نوازا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے تمنائے دیرینہ کو پورا کیا۔ اب حج کی مبروریت

اور مقبولیت کی اُمید بھی اسی ذات عالی صفات سے ہے۔

چلتے وقت خیال تھا اور برادر مکرم عالیجناب حکیم سید حسن مثنیٰ صاحب[1] رضوی مدظلہ نے خاص طور پر فرمادیا تھا کہ میں اس سفر کا روزنامچہ تیار کرتا رہوں اور تمام حالات تفصیل سے لکھوں۔ چنانچہ میں نے ایک نوٹ بک اور ایک رجسٹر اسی مقصد کے ماتحت اپنے ہمراہ رکھ بھی لیا تھا مگر چند روز کا مختصر روزنامچہ لکھنے کے بعد طبیعت کے لااُبالی پن نے اس کام کو مکمل نہ ہونے دیا اور سچ پوچھئے تو یہ بات بھی میرے ذہن میں آئی کہ اب تک سیکڑوں سفرنامے حج وزیارت سے متعلق بڑے بڑے حضرات نے مرتب کردیے ہیں اور ان میں سے اکثر وبیشتر طبع ہوگئے ہیں۔ تقریباً ایک درجن سفرنامے (جن میں روداد سفر حج وزیارت بھی ہے، مناسک حج بھی ہیں، آداب زیارت بھی ہیں اور مختصر تاریخ حرمین بھی ہے) میں نے بھی دیکھے ہوں گے انھیں سفرناموں میں دو اہم اور پُر از معلومات سفرنامے بطور تلخیص الفرقان میں شائع بھی ہوچکے ہیں۔ میں نے سوچا کہ جب اس موضوع پر اتنا کام ہوچکا ہے تو پھر مجھ جیسے ناکارہ کا سفرنامے کے نام سے کوئی رسالہ لکھنا ہوس ہی ہوس ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہر شخص کے واقعات جدا اور حالات علیحدہ ہوتے ہیں۔ بعد کے جانے والوں کو ہر ایک کے تجربہ سے فائدہ اُٹھانے کا کچھ نہ کچھ موقع مل جاتا ہے۔ مگر میں نے مناسب یہی سمجھا کہ مجھ جیسا محدود المعلومات انسان اس سلسلہ میں جرأت نہ کرے تو اچھا ہے۔ البتہ یہ ارادہ

---

[1] مولانا حکیم سید حسن مثنیٰ رضویؒ عہد اکبری کے مشہور مشائخ حضرت شاہ عبداللہ معروف بہ شاہ ابن بدر چشتیؒ کی اولاد میں تھے آپ نے تمام علوم متداولہ کی تحصیل وتکمیل جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں کی۔ مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ بعدہٗ دارالعلوم ندوہ لکھنؤ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ سے استفادہ کیا۔ عربی اور اردو کے بہترین ادیب تھے۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ سے رشتہ داری بھی ہوتی تھی۔ پرانے چراغ حصہ اول میں آپ کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ امروہہ میونسپل بورڈ کے چیرمین رہے۔ ۲۸؍رجب المرجب ۱۳۸۲ھ موافق ۲۷؍دسمبر ۱۹۶۲ء میں وفات ہوئی۔ [2] ہندوستان کا سب سے پہلا ''سفرنامۂ حجاز'' مولفہ مولانا رفیع الدین فاروقی مرادآبادیؒ اور نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کا ''سفرنامۂ حج'' ''ترغیب السالک الی احسن المسالک'' مراد ہے۔ ان دونوں سفرناموں کا مولانا فریدیؒ نے تلخیص وترجمہ کرکے الفرقان میں شائع کرایا۔ (محمد الحق)

ضرور تھا کہ اپنے تاثرات کو چند صفحات میں قلمبند کرلوں گا۔ اس ارادے کی اطلاع بیجا جسارت کرکے حضرت مولانا نعمانی مدظلہ[1] کو کردی تھی۔ انھوں نے اپنی بزرگانہ شفقت کے پیش نظر ان تاثرات اور مختصر روداد سفر کو مرتب کرنے کی طرف توجہ دلائی بالآخر مولوی عتیق[2] الرحمٰن سنبھلی سلمہ کے محبت آمیز تقاضوں نے اس کام میں میری مدد کی ورنہ میری وقتی علالت اور عدم نشاط کی حالت شاید اس معمولی سی تحریر کو اور مؤخر کردیتی۔ اب ان چند صفحات کو جنھیں نقوش و تاثرات کہہ لیجئے، مختصر روداد سفر کہہ لیجئے، سفرنامچہ کہہ لیجئے۔ انتہائی شرمندگی کے ساتھ اور بہت تاخیر سے پیش کررہا ہوں۔ یہ تاثرات واپسی میں جہاز کے اندر بیٹھے بیٹھے مرتب کرلیتا تو اچھا ہوتا۔ اب جوں جوں زمانہ گزرتا جارہا ہے وہ جذبات و تاثرات مدھم پڑتے جارہے ہیں جو دورانِ سفر میں تھے۔ قرطاسِ بیاض پر بہت کم واقعات لکھئے گئے تھے اور حافظے کی گرفت سے بہت سے واقعات نکل چکے ہیں پھر بھی جو کچھ ہے سادہ لفظوں میں حاضر ہے۔

نسیم احمد فریدی، امروہہ

---

[1] حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نہ صرف برصغیر بلکہ عالم اسلام کے مشہور و معروف علماء میں سے تھے۔ آپ ماہنامہ رسالہ "الفرقان" کے بانی تھے جو ۷۸ رسال سے اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہے۔ مولانا نعمانی بہترین مصنف بھی تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ خصوصاً احادیث کا انتخاب کرکے "معارف الحدیث" ۸ رجلدوں میں مرتب کی۔ آپ کا وصال ۲۶ رذی الحجہ ۱۴۱۷ھ موافق ۴ رمئی ۱۹۹۷ء میں لکھنؤ میں ہوا اور وہیں عیش باغ کے قبرستان میں ابدی آرام گاہ بنی۔ [2] مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی عالم اسلام کی معروف شخصیت اور ممتاز عالم دین مولانا محمد منظور نعمانی کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی تعلیم کا آغاز مدرسہ مصباح العلوم بریلی سے ہوا۔ ماہنامہ "الفرقان" اس زمانہ میں بریلی سے نکلتا تھا۔ مدرسہ مصباح العلوم میں شرح جامی تک پڑھ کر بقیہ علوم کی تحصیل و تکمیل دارالعلوم دیوبند سے کرکے سند فراغت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں خصوصاً شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی امروہی تھے۔ آپ ۱۹۵۳ء سے ۱۹۷۴ء تک "الفرقان" کے ایڈیٹر رہے۔ آپ کے ادارتی مضامین "تکاو اولین" بڑے معرکۃ الآرا ہیں۔ آپ کے ادارتی مضامین کے دو مجموعے "راستہ کی تلاش" اور "مجھے ہے حکم اذان" شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ بہترین مصنف بھی ہیں۔ تمام کتابیں پُر از معلومات ہیں۔ "انقلاب ایران اور اس کی اسلامیت" "واقعۂ کربلا اور اس کا پس منظر" "طلاق ثلاثہ اور ابن قیم" اس کے علاوہ ماہنامہ الفرقان کے لیے مضامین لکھتے رہتے ہیں اور "محفل قرآن" کے عنوان سے تفسیر کا سلسلہ جاری ہے اور "محفل قرآن" کی ایک جلد شائع بھی ہو چکی ہے۔ صحت کی خرابی کی وجہ سے لندن میں مقیم ہیں۔ (محمد - انجم)

امروہہ سے روانگی: بتاریخ ۱۲رشوال المکرم ۱۳۸۰ھ مطابق ۳۰؍مارچ ۱۹۶۱ء بروز پنجشنبہ پندرہ افراد[1] کے قافلہ کے ساتھ امروہہ سے روانگی ہوئی، مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے ارباب اہتمام، اصحاب درس، طلباء، تبلیغی جماعت کے ساتھی، شہر کے معززین ومخلصین اوراحباب واعزاء رخصت کرنے کے لیے اسٹیشن پر پہنچے تھے۔ برادرم حکیم سید حسن مثنیٰ صاحب رضوی مدظلہ کی کرم فرمائی قابلِ ذکر ہے کہ وہ طویل گوشہ نشینی کے بعد باوجود ضعف ونقاہت اسٹیشن تک گئے۔ سجادہ نشین[2] حضرت شاہ عبدالہادی صدیقیؒ کے برادرِ خورد مولانا شاہ محمد مخدوم صاحب[3] صدیقی مدظلہ بھی جورشتہ میں میرے ماموں ہوتے ہیں از راہِ محبت، پیرانہ سالی اور ضعف بصارت کی معذوری رکھتے ہوئے رخصت کرنے تشریف لے گئے تھے۔ ان سب نے دعاؤں کے ساتھ قافلہ کو رخصت کیا۔ دہلی پہنچے وہاں بھی احباب واعزاء پلیٹ فارم پر ملاقات کے لیے آئے۔ رات کو بمبئی جانے والی گاڑی پر سوار ہوئے۔ بحمداللہ ریل میں نماز باجماعت کا اہتمام رہا۔ ہفتے کی صبح کو بمبئی پہنچے۔ بمبئی کے اسٹیشن پر ہمارے معلم حافظ عبیدالرحمٰن صاحب[4] مکی اوران کے ملازمین موجود تھے۔

صابوصدیق مسافرخانہ: اسٹیشن سے صابوصدیق کے مسافرخانہ میں آئے۔ اس مسافرخانہ میں ہرطرح کا آرام ہے۔ قافلہ میں دوافراد ایسے تھے جوتبلیغی جماعت میں پہلے

---

[1] آپ کے قافلہ کے صرف حاجی محمد احسان امروہوی بقید حیات ہیں۔

[2] سجادہ نشین سے مراد مولانا شاہ سلیمان احمد صدیقیؒ ہیں۔ آپ نے تمام علوم متداولہ کی تحصیل وتکمیل جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ سے کی۔ ۲۳رجب ۱۳۸۱ھ موافق یکم جنوری ۱۹۶۲ء میں وفات ہوئی۔ [3] آپ نے بھی جملہ علوم کی تحصیل وتکمیل جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں حضرت محدث امروہیؒ سے کی۔ ۲۶رجمادی الثانی ۱۳۸۹ھ موافق ۹رستمبر ۱۹۶۹ء میں وفات ہوئی۔

[4] آپ کے دادا حافظ عبدالرحمٰن نگینوی ثم مکی ہندوستان کے صوبہ اترپردیش کے نگینہ ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ "مکہ معظمہ" ہجرت کرگئے تھے۔ مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر امروہیؒ نے وہیں آپ کے دادا سے قرآن کریم حفظ کیا تھا اور پہلی محراب بھی مسجد حرام میں سنائی تھی۔ (محب الحق)

سے حصہ لیتے رہے تھے۔ ماسٹر حاجی علاء الدین[1] صاحب اور حاجی محمد احسان صاحب۔ تمام رفقاء نے عموماً اور ماسٹر علاء الدین نے خصوصاً حق رفاقت کو بڑی خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ ۷راپریل کو محمدی جہاز سے روانگی تھی۔ یکم اپریل سے ۷راپریل تک تمام ضروری اور قانونی مرحلوں سے گزرتے رہے۔ امروہہ کے حاجی سید ابوالحسن صاحب[2] رضوی اور حاجی حافظ حبیب الرحمٰن صاحب[3] فاروقی اور بہت سے احباب مسافر خانے میں آ آ کر ملتے رہے۔ مولانا حاجی عزت اللہ صاحب[4] صدیقی اتفاق سے امروہہ سے بمبئی آئے ہوئے تھے۔ ان سے بھی ملاقات ہوئی۔ مسافر خانے کے صحن میں ہمارے قافلے نے بستر بچھائے تھے۔ وہیں پر سب سے ملاقات ہوتی رہی۔ ہندوستان کے ہر ہر صوبے کے حجاج اس مسافر خانہ میں موجود تھے۔ عجیب فرحت افزا اور روح پرور اجتماع ہر وقت رہتا تھا۔ مسافر خانے کے بانی اور موجودہ منتظمین کے لیے دل سے دعائیں نکلتی تھیں اور سوچتا تھا کہ اگر یہ مسافر خانہ نہ ہوتا تو مسافروں کو کتنی پریشانی ہوتی۔

---

[1] ماسٹر حاجی علاء الدین مرحوم۔ آپ نیک سیرت وخصلت اور عاجزی وانکساری کا مرقع تھے۔ بسلسلۂ ملازمت دہلی میں قیام رہا تو مولانا احمد سعید دہلویؒ اور مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کی صحبت سے مشرف ہوتے رہے۔ مولانا احمد سعیدؒ کے توسط سے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہوئے۔ بعدہٗ جب امروہہ میں ملازمت کا سلسلہ ہوا تو مولانا فریدیؒ کی صحبت میسر رہی۔ انھیں کے واسطے سے راقم الحروف سے بھی قریب رہے۔ آپ کی وفات ۱۹۹۷ء میں ہوئی۔ [2] حاجی سید ابوالحسن رضوی محلہ پیرزادہ امروہہ کے رہنے والے تھے۔ کاروبار کے سلسلے میں بمبئی میں مقیم تھے اور وہیں ۱۱رمئی ۱۹۷۲ء میں انتقال ہوا۔

[3] حافظ حبیب الرحمٰن فاروقی محلہ قریشی امروہہ کے رہنے والے تھے، نہایت ہی سادہ اور پابند اوقات تھے۔ کچھ عرصہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ حسینیہ دارالعلوم (چلہ) میں حکیم صیانت اللہ مرحوم کے اہتمام میں نیابت کے فرائض انجام دیئے۔ ۳۰رنومبر ۲۰۰۵ء میں انتقال ہوا۔ [4] مولانا عزت اللہ صدیقی امروہی: آپ محلہ قریشی امروہہ کے رہنے والے ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب قاضی نظام الدینؒ کے واسطے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ نے تمام علوم متداولہ کی تحصیل وتکمیل جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں کی اور یہاں ہی درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا جو چند سال پیشتر تک جاری رہا۔ ضعف کی وجہ سے تدریس باقی نہ رہی لیکن جامعہ سے تعلق برابر ہے۔ اللہ عمر میں برکت عطا فرمائے۔ (محب الحق)

الفرقان کے واسطے سے بہت سے حضرات غائبانہ واقف تھے۔ جن جن حضرات کو اطلاع ملتی گئی بر بنائے حسن ظن ملنے کے لیے آتے رہے۔ ''سیٹھ احمد غریب[1]'' جو باوجود اونچے درجے کے رئیس ہونے کے مزاج کے غریب ہیں اور جنھوں نے ''غریب کالج'' نام کا سفرنامہ بھی لکھا ہے۔ مجھ حقیر بوریہ نشین کے پاس از راہ کرم تشریف لائے اور جہاز میں روانہ ہونے تک برابر اپنی بلند اخلاقی کا مظاہرہ فرماتے رہے۔ منصوری صاحب، بھائی محمد یعقوب صاحب[2] وغیرہ بھی برابر ملتے رہے۔ امروہہ کے حضرات جو بمبئی میں مقیم ہیں دعوتوں کا پیغام لاتے تھے اور میں اپنے خاص حالات کی وجہ سے کہیں جانے سے معذور تھا۔ شہر کی عمارات اور عجائبات دیکھنے کو بھی بالکل جی نہ چاہا۔ حتیٰ کہ شہر کی خوبصورت اور قابل دید ''جامع مسجد'' بھی نہ دیکھ سکا۔ البتہ ایک دن شہر میں نکلا تھا اسی دن چونا بھٹی کی مسجد جو تبلیغی جماعت کا مرکز ہے دیکھی۔ وہاں ظہر کی نماز پڑھی اور اسی دن بیگ محمد ہائی اسکول دیکھا جس کے پرنسپل سید یحییٰ حسن صاحب[3] امروہوی ہیں۔

ہمارے بمبئی پہنچنے کے دوسرے دن ''سنبھل'' کا ایک قافلہ بھی پہنچ گیا تھا۔ مکرمی

---

[1] سیٹھ حاجی احمد غریب صاحب بھی ماہنامہ ''الفرقان'' کے ذریعہ واقف تھے۔ [2] حاجی محمد یعقوب: بمبئی جو کسی زمانے میں اہل بدعت کا گڑھ تھا۔ اس زمانے میں علماء دیوبند کا نام لینا اور ان کے ساتھ تعلق ظاہر کرنا گویا خطرے کو دعوت دینا تھا۔ چند حضرات کی اصلاحی کوششوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے فضاء بدل دی اور وہاں کے تقریباً تمام ہی باشعور مسلمانوں کا تعلق اہل حق اور علماء حق سے ہو گیا۔ ان چند لوگوں میں ایک حاجی محمد یعقوب بھی تھے۔ ہمہ وقت دینی کاموں اور اہل دین کے کاموں میں مشغول رہتے تھے (خاص کر حاجیوں اور تبلیغی کام کرنے والوں کی) خدمت دین کی محنت، معاملہ فہمی میں اپنی مثال آپ تھے۔ ۱۰ راگست ۱۹۸۲ء میں بمبئی میں انتقال ہو گیا۔

[3] سید یحییٰ حسن امروہی: ۴ رنومبر ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ محلہ گزری امروہہ کے متوسط زمیندار خاندان سے تھے۔ ہائی اسکول تک امروہہ گورنمنٹ کالج میں تعلیم پائی۔ پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی۔اے، بی۔ٹی کیا۔ بعدہ تدریس کا سلسلہ شروع کیا جس سے ترقی کرتے ہوئے بمبئی محمد بیگ ہائی اسکول میں پرنسپل ہوئے۔ وہاں سے ریٹائر ہونے کے بعد اپنے وطن کے امام المدارس انٹر کالج میں تاریخ کے استاذ کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ بڑے مہذب اور اردو ادب کے شیدائی تھے۔ اثنا عشری مسلک سے تعلق تھا۔ ۲۰ راکتوبر ۱۹۷۳ء میں انتقال ہوا۔ (محب الحق)

مولانا حکیم محمد احسن صاحب[1] سنبھلی زید مجدہم حضرت مولانا نعمانی مدظلہ کے برادر خورد اس قافلے کے نگراں تھے لیکن وہ خود قافلہ سے الگ لکھنؤ کے راستہ سے بمبئی پہنچے تھے۔ حکیم صاحب کے تشریف لانے کے بعد طبیعت کو بہت اطمینان محسوس ہوا۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ: مسافر خانے میں دفتر ''البلاغ'' کے اندر حضرت مولانا حبیب[2] الرحمٰن اعظمی مدظلہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ حضرت

---

[1] مولانا حکیم محمد احسن قاسمیؒ: آپ محلہ دیپا سرائے سنبھل ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی بقیہ علوم کی تحصیل و تکمیل ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور دیگر اساتذہ سے کرکے سند فراغت حاصل کی۔ بعدہٗ تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں طب کی تکمیل کی۔ آپ مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے برادر خورد تھے۔ ورع، تقویٰ، خدمت خلق اور وضعداری میں بے نظیر تھے۔ آخری وقت تک انجمن معاون الاسلام سنبھل اور اس کے تحت چلنے والے دینی ادارے مدرسہ مدینۃ العلوم کی سرپرستی فرمائی اور اسے ترقی دینے میں ہر ممکن جدوجہد کرتے رہے۔ آپ کا مطب خدمت خلق کے لیے وقف تھا۔ جمعیۃ علماء ہند اور اس کے اکابر سے قلبی لگاؤ تھا۔ طویل علالت کے بعد ۸۲ سال کی عمر میں ۲۳ر ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ موافق ۵ر مئی ۱۹۹۴ء میں وصال ہوا۔ [2] امیر الہند مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ: آپ کی ولادت ۱۳۱۹ھ میں مشرقی یوپی کے مردم خیز قصبہ مؤ ناتھ بھنجن میں ہوئی۔ تاریخی نام ''اختر حسن'' ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن مؤ کے مدرسہ دارالعلوم میں حاصل کی۔ پھر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگرد مولانا عبدالغفارؒ سے گورکھپور اور بنارس میں رہ کر متوسطات تک حاصل کی۔ اس کے ساتھ ہی علوم مشرقیہ کے امتحانوں میں شریک ہوکر فاضل ادب کا امتحان الہ آباد بورڈ سے پاس کر کے اعلیٰ نمبرات حاصل کیے۔ بقیہ علوم کی تکمیل کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، آب وہوا کی ناموافقت کی وجہ سے طبیعت خراب رہنے لگی تو وطن واپس ہوگئے۔ دوبارہ دورۂ حدیث کی تکمیل کے لیے دیوبند کا سفر اختیار کیا مگر اس مرتبہ بھی ناسازئ طبع کی بنا پر واپس چلے آئے اور اپنے ہی وطن کے مدرسہ دارالعلوم مؤ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن عثمانی محدث دیوبندیؒ کے شاگرد مولانا کریم بخش سنبھلیؒ سے ''صحاح ستہ'' کی تکمیل کی اور یہیں درس و تدریس کی خدمت پر مامور ہوگئے بعدہٗ مدرسہ جامعہ مفتاح العلوم سے وابستہ ہوگئے۔ اس کے صدر مدرس بھی رہے یہاں سے علیحدہ ہوکر معہد العالی مرقاۃ العلوم قائم کیا جو تھوڑی ہی مدت میں مؤ کے بڑے مدارس میں شمار ہونے لگا۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت تھے۔ مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ سے اچھے مراسم تھے۔ درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی کام انجام دیتے رہے۔ اس کا اچھا اور عمدہ ذوق تھا خصوصاً حدیث اور اسماء الرجال موضوع تھا۔ اس پر گہری نظر تھی۔ مسند حمیدی، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، کتاب السنن، کتاب الزہد والرقائق، مجمع بحار الانوار، الحاوی علی رجال الطحاوی وغیرہ۔ عربی کے علاوہ اردو تصانیف بھی آپ کی شگفتہ اور پُرمغز ہیں۔ ۱۱ر رمضان ۱۴۱۲ھ موافق ۱۶ر مارچ ۱۹۹۲ء میں انتقال ہوا۔ (محب الحق)

مولانا کو میرے ایک عریضہ سے میرے اس سفر کی اطلاع ہوگئی تھی۔ اتفاق کی بات کہ وہ بھی امسال ارادۂ حج و زیارت کر چکے تھے۔ ان کا ارادہ بہت کم لوگوں پر ظاہر ہوا تھا۔ وہ اپنے وطن سے مالیگاؤں اور وہاں سے بمبئی تشریف لے گئے تھے۔ شہر میں کسی جگہ قیام پذیر تھے۔ قاری عبدالمعید صاحب[1] سنبھلی کے ذریعہ مجھے مسافر خانے میں تلاش کرایا۔ قاری صاحب نے میرا پتہ چلا کر مجھ سے فرمایا کہ حضرت مولانا اعظمی یاد فرما رہے ہیں۔ مولانا کا نام سنتے ہی میرے دل میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ دفتر ''البلاغ'' میں تشریف فرما تھے۔ بزرگانہ الطاف و عنایات کے ساتھ ملے۔ وہاں پر قاضی اطہر صاحب[2] مبارکپوری، منیری صاحب اور مالیگاؤں کے چند حضرات سے ملاقات ہوئی۔ حضرت مولانا اعظمی سے میری سب سے پہلی ملاقات جونپور کے اجلاس جمعیۃ[3] علماء میں ہوئی تھی۔ وہ بہت مختصر اور سرسری ملاقات تھی۔ اس

---

۱ آپ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوری مہاجر مدنیؒ کے خلیفہ مجاز ہیں۔ بمبئی میں کسی مسجد کے امام ہیں۔

۲ مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ: آپ کا وطن مبارکپور مشرقی یوپی کا مردم خیز قصبہ ہے۔ وہیں ۲؍رجب ۱۳۳۶ھ موافق ۷؍مئی ۱۹۱۶ء میں پیدا ہوئے۔ عبدالحفیظ نام رکھا گیا۔ ابتدائی تعلیم گھر سے شروع ہوئی جس میں زیادہ حصہ والدہ محترمہ کا رہا۔ اس کے بعد مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں باقاعدہ داخل ہو کر تعلیمی مراحل طے کیے۔ مدرسہ مذکور میں ہدایہ تک پڑھنے کے بعد ۱۳۵۴ھ میں مدرسہ شاہی مرادآباد میں داخلہ لیا اور مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ سے ادب کی کچھ کتابیں پڑھ کر واپس چلے گئے۔ اس کے بعد ۱۳۵۸ھ میں آ کر دورۂ حدیث میں داخل لیا اور مولانا سید فخر الدین احمد، مولانا عبدالحق مدنیؒ، مولانا سید محمد میاںؒ، مولانا محمد اسماعیل سنبھلیؒ، سے دورۂ حدیث مکمل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ زمانہ طالب علمی ہی سے انشاء پردازی اور تحقیق کا ذوق تھا جو آخری وقت تک قائم رہا۔ فراغت کے بعد مختلف مقامات پر تدریس اور تحریری خدمات انجام دیئے۔ بعدہٗ بمبئی میں مستقل قیام کیا وہاں آپ نے شاندار علمی اور تحقیقی کام کیا۔ روزنامہ ''جمہوریت'' بمبئی کے نائب مدیر رہے بعدہٗ روزنامہ ''انقلاب'' سے وابستہ ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی ماہنامہ ''البلاغ'' کی ادارت متعلق رہی اور اس کے کئی خاص نمبر نکالے جن میں تعلیمی نمبر بہت زیادہ مقبول ہوا۔ آپ کی تمام تصانیف معرکۃ الآرا ہیں۔ رجال السند والہند، العقد الثمین فی فتوح الہند، من ورد فیہا من الصحابہ والتابعین، عرب و ہند عہد رسالت، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، اسلامی ہند کی عظمت رفتہ، خلافت راشدہ اور ہندوستان وغیرہ وغیرہ۔ قاضی صاحب آخر میں اپنے وطن مبارکپور میں منتقل ہو گئے تھے اور وہیں ۷؍صفر ۱۴۱۷ھ موافق ۱۴؍جولائی ۱۹۹۶ء میں وفات ہوئی۔ مولانا فریدیؒ سے مراسلت بھی تھی۔

۳ جمعیۃ علماء ہند کا یہ بارہواں اجلاس ۷، ۸، ۹؍جون ۱۹۴۰ء میں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی صدارت میں ہوا تھا۔ اسی اجلاس میں مفتی اعظم مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ کے اصرار پر ان کا استعفیٰ منظور ہوا۔ حضرت مفتی صاحب جمعیۃ علماء ہند کے بیس سال صدر رہے مگر کسی اجلاس کی صدارت نہیں کی بلکہ صدارت کے لیے مشاہیر کا انتخاب فرماتے تھے۔ اسی میں شیخ الاسلام حضرت مدنی صدر منتخب کیے گئے اور یہ طے پایا کہ آئندہ صدر ہی اجلاس کی صدارت کیا کریں گے۔ (محب الحق)

مختصر سی ملاقات میں بھی مجھے حضرت مولانا سے علمی فائدہ حاصل ہوا تھا اس وقت ''الفرقان''
کا ''شاہ ولی اللہ نمبر'' بریلی سے نکلنے والا تھا۔ میرا ارادہ بھی تھا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث
دہلویؒ پر کچھ لکھوں۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا نے مجھے اپنے مشوروں سے نوازا تھا۔ اس
وقت سے برابر حضرت مولانا کے کمالات علمیہ کا اثر میرے قلب پر تھا۔ ابھی دو ایک سال
ہوئے کہ سلسلہ خط و کتابت جاری کرتے ہوئے میں نے اپنی ملاقات یاد دلائی۔ مولانا کو
میری ملاقات یاد نہیں رہی تھی مگر میرے عریضوں کا جواب بکمالِ لطف و کرم عنایت فرماتے
رہے۔ اب بمبئی میں ان سے یہ دوسری ملاقات تقریباً بیس سال کے بعد ہوئی۔ حضرت
مولانا اعظمی نہایت سادہ لباس، بلند اخلاق اور تواضع و انکسار کا مجسمہ ہیں اور سب سے بڑی
بات یہ ہے کہ وہ علم دین کے بحر ذخار ہیں۔ خصوصاً علم الحدیث اور علم الرجال میں محققانہ
شان رکھتے ہیں۔ ان کی خدمت میں تھوڑی سی دیر میں بہت کچھ معلومات حاصل ہو جاتی
ہیں۔ خود کم بولتے ہیں علمی سوالات کیے جائیں تو شافی جوابات عنایت فرماتے ہیں۔
ہندوستان کے بہت سے بڑے بڑے کتب خانے خواہ وہ اداروں کے ہوں یا پرائیویٹ
ہوں ان کی نظر سے گزر چکے ہیں۔ ان کی مسلسل تلاش و جستجو نے اور علمی تحقیق و تدقیق نے
ان کو ایک بلند امتیازی مقام عطا کیا ہے۔ ذالك فضل الله يوتيه من يشاء ۔

مولانا صاحب تصنیف و تالیف ہیں لیکن ان کی کتابیں جو شائع ہو سکی ہیں وہ دراصل
اس سے کم ہیں جس کا ان کی وسعت نظر تقاضا کر رہی ہے۔ مختصر یہ کہ مولانا اعظمی علماء ہند
میں چند مغتنم ہستیوں میں ایک ہیں۔ ضرورت ہے کہ فارغ التحصیل اور ساتھ ہی ساتھ ذی
استعداد و ذہین طلباء اور اہل علم ان کے علوم سے فائدہ اٹھائیں اور کسی مرکزی مقام پر حضرت
مولانا کا قیام ہو تا کہ وہ علوم جو ان کے سینہ میں اور ان کے سفینوں میں ہیں محفوظ
ہو جائیں۔ حضرت مولانا اعظمی دو مرتبہ اس سے پہلے بھی حج و زیارت کی سعادت سے مستفیض
ہو چکے ہیں۔ تیسری مرتبہ کا ارادہ صیغۂ راز میں تھا۔ مدیر ''البلاغ'' کو کسی طرح معلوم ہو گیا تھا۔

چند روز بعد انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ مولانا کا ہوائی جہاز سے حجاز جانے کا ارادہ ہے لیکن چونکہ قانونی مراحل طے نہیں ہوئے ہیں اس لیے کسی پر ظاہر نہیں فرمایا ہے۔ چنانچہ ہمارے جانے کے کئی ہفتے بعد حضرت مولانا بذریعہ طیارہ ''جدہ'' اور وہاں سے براہِ راست ''مدینہ منورہ'' پہنچے۔ پھر تو ''مدینہ منورہ'' میں اور ''مکہ معظمہ'' میں برابر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

تبلیغی جماعت: مسافر خانہ کی مسجد کے قریب ایک کمرہ میں تبلیغ جماعت کے افراد مقیم تھے جن میں مقامی حضرات کے علاوہ حاجی محمد اسماعیل صاحب[1] مرادآبادی، منشی انیس صاحب[2]، احمد آباد اور پالن پور وغیرہ کے بہت سے اشخاص تھے۔ روزانہ اجتماع رہتا تھا۔ مسافر خانہ میں سرگرمی کے ساتھ چل پھر کے کام ہوتا تھا۔ مسجد میں تعلیمی مجالس قائم کی جاتی تھیں جس میں زیادہ تر حج و زیارت کے آداب پر تقاریر ہوتی تھیں۔ یہ لوگ آخری جہاز کی روانگی تک کام کرنے کے ارادے سے بمبئی آئے تھے۔ ہر جہاز کے لیے ایک جماعت بناتے تھے، ایک امیر جماعت منتخب کرتے تھے۔ غرضیکہ دن رات اسی فکر میں رہتے تھے کہ حج صحیح طور پر ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ ہماری روانگی سے چند روز پہلے مولانا محمد عمر[3]

---

۱ حاجی محمد اسماعیل صاحب مرادآباد کی مشہور صنعت نایاب بیڑی ۷۸۸ کے مالکان میں سے تھے۔ علماء سے بہت زیادہ عقیدت تھی اور تبلیغی جماعت سے گہرا تعلق تھا۔ باوجود رئیس ہونے کے نہایت سادگی سے رہتے تھے اور سادہ ہی لباس استعمال کرتے تھے۔ ۱۹۷۳ء میں انتقال ہوا۔ ۲ آپ مکتبہ دینیہ بستی حضرت نظام الدین متصل مرکز تبلیغ کے مالک تھے۔ تبلیغی جماعت سے بھی متعلق رہے۔

۳ مولانا محمد عمر پالن پوری جماعت تبلیغ کے مقبول ترین رہنما اور معروف مبلغ تھے۔ آپ کی ولادت ۱۳۴۸ھ موافق ۱۵ ستمبر ۱۹۲۹ء میں ہوئی۔ مولانا کی دعوتی تقریر نہایت مؤثر اور دل نشیں ہوتی تھی۔ تقریر کا وہ سوز و گداز بر موقع قرآن کریم کی تلاوت کی مٹھاس مثالوں کے ذریعہ حقائق کو دل کی گہرائیوں تک اتارنے کا ملکہ جو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا تھا اس کی مثال کم ملتی ہے۔ آپ کے ذریعہ لاکھوں لوگوں تک دین کا پیغام پہنچا۔ غیر مسلموں تک نے تعلیم کا اثر قبول کر کے آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ پوری زندگی دعوت و تبلیغ کے لیے وقف کر دی تھی۔ آپ اور تبلیغی جماعت یک جان دو قالب بن گئے تھے۔ آپ کی راتیں تلاوت و مناجات میں اور دن دعوت و تبلیغ کی مصروفیت میں گزرتی تھی۔ آپ اخلاق کریمانہ اور صبر و تحمل کے پیکر تھے۔ ۱۳ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ موافق ۲۱ مئی ۱۹۹۷ء کو وصال ہوا اور مرکز تبلیغ ابدی آرام گاہ بنی۔ (محب الحق)

صاحب پالن پوری بمبئی تشریف لے آئے تھے۔ میں ان کے نام اور کام سے واقف تھا۔ وہ بھی غائبانہ مجھ سے واقف تھے۔ مسافر خانے میں ان سے ملاقات ہوئی۔ بڑی لگن کے آدمی ہیں۔ ''مصر'' میں بھی بڑی جد جہد کے ساتھ کام کر چکے ہیں۔ ان کی آمد سے مسافر خانے میں ایک عجیب دینی رنگ پیدا ہوا۔ ان کی تقریر کی تاثیر کو میں بیان نہیں کر سکتا۔ ایک تقریر میں انھوں نے ''مدینہ منورہ'' کی حاضری کے آداب بیان کئے تھے۔ جہاں جہاں تک لاؤڈ اسپیکر سے آواز پہنچ رہی تھی وہاں تک ہر شخص دلچسپی اور خاموشی کے ساتھ سن رہا تھا۔ تبلیغی جماعت کے حکم سے ایک تقریر میں نے بھی ڈرتے ڈرتے کی۔ سچ یہ ہے کہ ایسے تجربہ کاروں اور جانبازوں کی موجودگی میں تقریر کرتے شرم آتی ہے۔ روانگی سے ایک دن قبل جماعت کی طرف سے جہاز میں امیر جماعت مقرر کرنے کا مشورہ ہوا۔ میرا نام برھبنائے حسن ظن پیش کیا گیا۔ میں نے اپنی معذوری پیش کی تو سید نورالدین صاحب بی. اے.، ایل. ایل. بی. کا انتخاب عمل میں آیا۔ سید صاحب ''امراوتی'' (مہاراشٹر) کے رہنے والے ایک صالح اور دیندار نوجوان ہیں۔ نقشبندی سلسلے میں ایک بزرگ سے بیعت ہیں۔ تبلیغی جماعتوں میں بہت سا وقت دے چکے ہیں۔ انھوں نے جہاز میں اپنے فرائض منصبی کو بڑی عمدگی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ غالباً ۶ر اپریل کو ''الفرقان'' کا تازہ پرچہ بذریعہ ہوائی ڈاک ملا۔ اس میں مولانا حاجی رفیع الدین فاروقی مرادآبادی کا ''سفر نامہ حجاز'' جس کی تلخیص اور ترجمانی احقر نے کی ہے درج ہے۔ بڑے موقع پر یہ پرچہ مجھے ملا۔ اس کی دیدہ زیبی اور خوش نظری سے دل کو بڑی فرحت اور مسرت حاصل ہوئی۔

محمدی جہاز پر: جمعہ کے دن ۷ر اپریل کو جہاز میں سوار ہوئے۔ سید نورالدین صاحب نے احقر کی موجودگی مولانا حکیم محمد احسن صاحب، مولانا منظور احمد صاحب[1] مظاہری نائب

---

[1] مولانا منظور احمد صاحب مظاہری جونپوری ۴ر ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ موافق ۱۸ر اگست ۱۹۳۱ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ والد کا نام مولانا حکیم عبدالسلام تھا۔ ابتدائی تعلیم عربی مدرسہ بیت العلوم سرائے میر ضلع اعظم گڑھ میں حاصل کی۔ بقیہ علوم کی تحصیل و تکمیل کے لیے ۱۳۷۰ھ میں جامعہ مظاہر علوم میں داخلہ لے کر ہدایہ اولین .... مسلسل

مدیر ''نظام'' کانپور اور دیگر علماء و مبلغین کے مشورے سے جہاز پر کام کا نقشہ بنایا۔ نماز کے لیے اوپر کے حصے میں مرکزی مقام تجویز کیا۔ نیز نیچے کے حصوں میں بھی نماز باجماعت کا انتظام کیا گیا۔ میری سیٹ جہاں تھی اس کے قریب کے چبوترے پر نماز پڑھانے کے لیے قاری بلال صاحب میواتی مقرر کیے گئے۔ یہ قاری فتح محمد صاحب[1] پانی پتی کے شاگرد ہیں۔

بقیہ... صحاح ستہ تک پڑھ کر ۱۳۷۳ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ، مولانا عبداللطیفؒ، مولانا امیر احمدؒ، مفتی سعید احمدؒ، مولانا منظور احمد خانؒ، مولانا محمد اسعد اللہؒ اور مولانا قاری سعید احمد اساتذہ میں تھے۔ مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ اور مولانا اطہر حسینؒ سے فنون پڑھا۔ بعدہٗ کچھ عرصہ بھارت طبیہ کالج میں طب بھی پڑھی۔ ۱۳۷۴ھ میں مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے مشورہ سے مدرسہ جامع العلوم کانپور سے درس و تدریس کا آغاز کیا۔ مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے کانپور سے دارالعلوم دیوبند آجانے کے بعد افتاء کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ نظامت کے فرائض بھی انجام دیے اور ماہنامہ ''نظام کانپور'' کے نائب مدیر رہے۔ پھر پندرہ روزہ اخبار ''پیام سنت'' آپ کی ادارت میں شائع ہو رہا ہے۔ تمام مصروفیتوں کے باوجود آپ صاحب قلم بھی ہیں۔ مسئلہ تدفین، حضرت رائے پوریؒ، تین طلاق کا مسئلہ مشہور و معروف ہے۔ اللہ عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

[1] مولانا قاری فتح محمد پانی پتی مہاجر مدنیؒ۔ آپ کی ولادت پانی پت کے محلہ رائیان میں ۱۲،۱۱/ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ موافق ۱۳/ جنوری ۱۹۰۴ء میں ہوئی۔ ڈیڑھ سال کی عمر میں چیچک نکلنے کی وجہ سے بینائی جاتی رہی۔ پانچ سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز قرآن کریم سے ہوا۔ حفظ کی تکمیل مدرسہ اشرفیہ پانی پت میں قاری شیر محمد خاںؒ سے کی۔ سبعہ کی کچھ روایات بھی پڑھیں۔ بعدہٗ مولانا قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانیؒ سے سبعہ کی تکمیل کی۔ درس نظامی کی تحصیل کے لیے مدرسہ گنبدان پانی پت میں ابتدائی فارسی سے لے کر مشکوٰۃ شریف تک مولانا احمد اللہ عثمانیؒ (تلمیذ حضرت شیخ الہندؒ) اور مولانا سعید احمد ابن مولانا فتح محمد تائب لکھنوی سے پڑھ کر دورۂ حدیث کی تکمیل مرکز علوم دارالعلوم دیوبند میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور دیگر اساتذہ سے کر کے سند فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد بیس سال تک اپنے وطن پانی پت میں درس و تدریس دیا۔ قیام پاکستان کے بعد وہاں منتقل ہو گئے اور وہاں کے مختلف مدارس میں پڑھایا۔ پھر تقریباً ۱۶-۱۵ سال مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندیؒ ثم کراچویؒ کے دارالعلوم میں تجوید و قرأت کے صدر مدرس رہے۔ پھر ''مدینہ منورہ'' ہجرت کی وہاں بھی تشنگانِ علوم کو سیراب کیا۔ باوجود بینائی نہ ہونے کے آپ صاحب تصانیف بھی تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت تھے۔ حضرت تھانویؒ کے وصال کے بعد آپ کے خلیفہ مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ سے تجدید بیعت کی اور مفتی صاحبؒ نے اجازت بیعت دی۔ آپ کا وصال ۱۸/ شعبان ۱۴۰۷ھ موافق ۱۶/ اپریل ۱۹۸۷ء میں ہوا۔ جنت البقیع ابدی آرام گاہ بنی۔ (محب الحق)

بڑی پابندی سے انھوں نے اپنی اس دینی خدمت کو انجام دیا۔ مولانا محمد سعید صاحب راندیری اور ''اکولہ'' کے ایک نواب صاحب بھی جن کا نام مجھے یاد نہیں رہا تبلیغی مشوروں میں شریک رہے۔ میں ناکارہ علاوہ اوقاتِ نماز کے اور حوائجِ ضروریہ کے زیادہ تر اپنے پلنگ پر لیٹا یا بیٹھا ہی رہتا تھا۔ چکّر اور اختلاج سے بچنے کے لیے یہ تدبیر خود ہی سمجھ میں آئی تھی کہ ایک وقت کھانا کھاتا تھا اور یہ تدبیر میرے لیے کامیاب ثابت ہوئی۔

مولانا حکیم محمد احسن صاحب سنبھلی امیر جماعت اور دیگر احباب و رفقاء ازراہِ کرم مجھ سے ملنے کے لیے میرے پاس ہی تشریف لے آتے تھے۔ جہاز پر تقریر کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی البتہ ایک تقریر ۸/اپریل کو تبلیغی جماعت کے اصرار پر لاؤڈ اسپیکر پر اور ایک تقریر ۱۴/اپریل کو اپنے حلقہ میں حج کے موضوع پر کی ''آپ حج کیسے کریں'' اور ''آسان حج'' نیز مناسک کی کتابیں پڑھتے اور سناتے رہے۔

اتوار کی شب میں فیض آباد کی رہنے والی ایک خاتون کا انتقال ہوا۔ نمازِ جنازہ میں احقر کی شرکت نہ ہوسکی۔ دوسرے دن پیر کی شب میں دیپا سرائے سنبھل کے قافلہ میں ایک صاحب کا انتقال ہوا۔ صبح کو حکیم محمد احسن صاحب نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ میں بھی نماز میں شریک ہوا۔ معلوم ہوا کہ مرحوم اچھے خاصے تندرست تھے۔ رات کو ایک دورہ پڑا اور تھوڑی ہی دیر میں رخصت ہوگئے۔ ان مرحوم کی ہمشیرہ ان کے ہمراہ حج کو جارہی تھیں۔ اپنے بھائی کے غم کا داغ دل پر لیے ہوئے ''مکہ معظمہ'' پہنچیں۔ وہاں سے قافلہ کے ساتھ ''مدینہ منورہ'' گئیں۔ ''مدینہ منورہ'' سے واپس ہوکر حج کیا۔ بعد فراغتِ حج وہ بھی ''مکہ معظمہ'' ہی میں اس دنیا سے چل بسیں اور ''جنت المعلیٰ'' میں قیامت تک کے لیے سوگئیں۔ کتنے خوش نصیب ہیں یہ سفرِ حج میں مرنے والے۔ موت کس کو نہیں آئے گی مگر ایسی موت جو اللہ کے راستہ میں آئے۔ قابلِ صد رشک ہوتی ہے۔

مولانا محمد سعید صاحب راندیری مہتمم مدرسہ حسینیہ راندیر اسی جہاز سے فرسٹ

کلاس میں سفر کر رہے ہیں۔ بڑے خلیق اور متواضع ہیں۔ اس سے پہلے غالباً دو مرتبہ حج کر چکے ہیں۔ انھوں نے بھی جماعت کے پروگرام کے مطابق ایک تقریر فرمائی۔ ان کے تجربوں سے بہت کچھ فائدہ حاصل ہوا۔ ایک سورت کے مشہور عالم دین مولانا قاری محمد اسماعیل صاحب راندیریؒ (متوفی ۱۳۴۰ھ) کے پوتے ہیں۔ پیر کے دن فرسٹ کلاس کو مولانا کے ہمراہ جا کر دیکھا۔ وہاں کی لائبریری بھی دیکھی جو حاجیوں کے لیے قائم کی گئی ہے۔ عصر کی نماز بھی وہاں جماعت سے پڑھی۔ مولانا راندیری نے سفرنامہ حاجی رفیع الدین فاروقی مرادآبادیؒ کا ترجمہ بھی جہاز میں پڑھا۔ اس ترجمے کو بہت پسند فرمایا اور اس وقت کے سورت کے حالات بڑے غور سے پڑھے اور فرمایا کہ اس کا ترجمہ ہمیں سورتی زبان میں بھی کرنا پڑے گا۔ مولانا نے اپنے دادا مرحوم کا ایک مطبوعہ خطبہ بھی بطور ہدیہ عنایت فرمایا۔ قریب قریب روزانہ ہی مولانا موصوف سے ملاقات ہوتی رہی۔

اس جہاز سے مولانا ہدایت علی صاحب بستوی بھی سفر کر رہے ہیں۔ آپ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ سے پہلے بیعت تھے بعد کو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے خلافت حاصل کی ہے۔ منگل کے دن ان سے جا کر ملاقات کی۔ مولانا موصوف ''کرہی''، ضلع بستی کے مدرسہ ہدایت العلوم میں صدر مدرس ہیں۔ بڑی خوش اخلاقی اور بزرگانہ مہر گستری سے ملاقات فرمائی۔ ماسٹر عبدالعزیز صاحب بستوی سے بھی جو مولانا کے ہمراہ ہیں ملاقات ہوئی۔ یہ ماسٹر صاحب ''موضع بجہرا ضلع بستی'' کے رہنے والے ہیں اور منشی دیانت اللہ صاحبؒ کے پرپوتے ہیں۔ ماسٹر صاحب نے بتایا کہ منشی دیانت اللہ صاحب حضرت سید احمد شہیدؒ کے رفقاء میں سے تھے۔

۱۲؍اپریل بدھ کے دن ''عدن'' کی پہاڑیاں نظر آئیں۔ اوپر جا کر ان پہاڑیوں کا نظارہ کیا۔ ۱۳؍اپریل (بروز پنجشنبہ) آج ''یلملم'' کے محاذ سے جہاز گزرے گا۔ احرام کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ۱۴؍اپریل جمعہ کے دن صبح کے وقت جہاز ''جدہ'' کی بندرگاہ پر

لنگرانداز ہوگیا۔ساحل جدہ پر اترے۔قانونی منزلوں سے گزرکر''مدینۃ الحجاج''میں آئے یہ بڑے آرام کا وسیع وکشادہ مسافرخانہ ہے۔ پانی کا انتظام خاطرخواہ ہے۔بجلی کی روشنی ہے،کمروں میں برقی پنکھے لگے ہوئے ہیں۔اسباب ایک کمرے میں رکھ کرنماز جمعہ ادا کی۔

۱۵/اپریل کو ہفتہ کے دن''مکہ معظمہ''روانہ ہوئے۔مغرب کی نماز کے وقت حرم مکہ میں داخل ہوئے۔داخلے کے وقت جذبات کا جو عالم تھا اس کو نہ پوچھئے۔کیا یہ حرم مقدس ہے؟ یہ وہی مقام ہے،جس کے دیدار کی تمنا مدت سے دامن گیر تھی؟ جس کو کم از کم خواب ہی میں دیکھ لینے کا ارمان تھا؟ ہاں ہاں یہ وہی محترم ومعظم مقام ہے،یہی''مکہ معظمہ'' ہے یہیں''خانہ کعبہ'' ہے جو ایک عظیم المرتبہ مکان ہے،جس کو اللہ کے رسول حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے خلوص کے ہاتھوں سے تعمیر کیا تھا۔جس کی کشش اتنی زبردست ہے کہ لاکھوں فرزندانِ توحید پیدل،بحری جہاز سے،ہوائی جہاز سے،موٹروں سے،اونٹوں پر کشاں کشاں چلے آرہے ہیں،جوق درجوق آرہے ہیں۔دنیا کے چپے چپے سے آرہے ہیں۔ان میں کالے بھی ہیں گورے بھی ہیں،امیر بھی ہیں غریب بھی ہیں،عالم بھی ہیں جاہل بھی ہیں،ایک تڑپ ہے جو ان کے سینوں میں موجود ہے۔ایک جذبہ ہے جو ان کو لارہا ہے،ایک کیف ہے جو ان پر طاری ہے،سب کفن بردوش آرہے ہیں، لبیك اللهم لبيك کی صدائیں ہیں جو''مکہ'' کی وادیوں میں گونج رہی ہیں۔سب کے سب عجیب والہانہ انداز سے آرہے ہیں۔

مغرب کی نماز کے وقت ہماری بس معلّم صاحب کے مکان کے قریب جاکر رکی۔مسجد الحرام میں نماز مغرب نہ مل سکی۔معلّم صاحب کے مکان میں جماعت کی گئی۔ حسبِ دستور معلّم کے یہاں دعوتِ طعام ہوئی۔ان کے مکان ہی پر قیام رہا۔معلّم صاحب ابھی بمبئی میں ہیں۔ان کے بھائی خلیل الرحمٰن صاحب اوران کے صاحبزادے نیابت میں کام کررہے ہیں۔عشاء کے وقت حبیب الرحمٰن صاحب نے جو معلّم صاحب کے بڑے

صاحبزادے ہیں۔ قافلے کو عمرہ کرایا، عشاء کی جماعت کی، بعدہٗ سر منڈوایا اور عمرہ کے احرام سے باہر آ گئے۔

کرایہ کا مکان: (۱۶/اپریل) اتوار کے دن کرایہ کے مکان کی تلاش ہوئی۔ متعدد مکانات دیکھے گئے بالآخر اپنے قافلے کے لیے ایک مکان معلّم صاحب کے دفتر (محلّہ ہجلہ) کے قریب سات سو ریال میں کرایہ پر لیا گیا۔ یہ مکان بہت چھوٹا ہے، صحن نہیں ہے، بجلی کا پنکھا بھی نہیں ہے، جس کی وجہ سے مچھروں کی یورش جاری رہی۔ اب وہ مکان بھی یاد آتا ہے اور اس کے درو بام یاد آتے ہیں۔ اس سرزمین پاک کی ایک ایک شے یاد آتی ہے۔ وہاں کی تو ظاہری تکلیف بھی روحانی مسرت کا پیغام لاتی ہے۔

مدارس حرم: ابھی حرم کے مدارس کھلے ہوئے ہیں۔ ذی الحجہ میں ان کی تعطیل ہو جائے گی اور غالباً دو ماہ بند رہیں گے۔ اتوار کے دن بعد عصر طواف کر کے "مدرسہ فخریہ" میں جانا ہوا۔ مولانا محمد نور بن سیف الدین مالکی کا درس بخاری ہو رہا تھا۔ تیس سے زائد طلباء حلقۂ درس میں تھے۔ بعد ختم درس مولانا مالکی سے ملاقات ہوئی۔ بہت ہی محبت سے ملے، ہندوستان کے حالات معلوم کرنے لگے۔ "آبِ زم زم" کے تین کٹورے لبا لب بھرے ہوئے پلائے۔ پھر فنجان پیش فرمایا چونکہ چائے گرم نہیں تھی اس لیے دوسری پیالی منگوائی اور از راہِ خوش طبعی عربی میں یہ مفہوم بیان کیا کہ فارسی زبان میں چائے کی تین خوبیاں بیان کی گئی ہیں "لب سوز ہو" "لب دوز ہو" اور "لب ریز ہو"۔ ان کے درس بخاری میں ایک خاص کیفیت محسوس ہوئی۔ احادیث کی مختصر مختصر تشریح بھی کرتے جاتے تھے۔ جب ایک حدیث میں وہ الفاظ پڑھے گئے جو وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری تھے تو رقت کا عالم طاری ہو گیا۔ قبیل مغرب ان سے رخصت ہوا، شیخ مالکی نے حسب درخواست میرے لیے دعا بھی فرمائی۔ اس کے بعد ان سے ملاقات نہ ہو سکی اور نہ ان کے درس میں حاضر ہو سکا۔ اس درس کے علاوہ بھی مختلف اوقات میں مسجد الحرام میں

درس کے دو تین حلقوں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک جگہ ''ابن کثیر'' ہو رہی تھی، ایک جگہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم (قنوجی ثم بھوپالی) کی تفسیر پڑھائی جا رہی تھی۔

مدرسہ صولتیہ: (۱۷ر اپریل) دوشنبہ کی صبح کو مرکز دہلی کے مشہور مبلغ مولانا عبید اللہ صاحب[1] سے مسجد الحرام میں ملاقات ہوئی۔ بغلگیر ہو کر ملے، بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔ اسی دن مدرسہ صولتیہ گیا۔ وہاں کے مدرسین کا درس سننے کا اتفاق نہ ہو سکا۔ مدرسہ صولتیہ امیر المجاہدین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی ایک زبردست علمی و دینی یادگار ہے۔ حرم کی صد سالہ تاریخ اس درسگاہ کی فیوض و برکات کی شہادت دیتی ہے۔ ابھی مدرسہ میں داخل نہ ہونے پایا تھا کہ دروازے پر برادرِ محترم مولانا افتخار فریدی[2] مرادآبادی سے ملاقات ہو گئی۔

---

[1] مولانا عبید اللہ بلیاویؒ، آپ مرکز تبلیغ حضرت نظام الدینؒ کے ان لوگوں میں تھے جو دعوت و تبلیغ کے ساتھ علم و مطالعہ کا گہرا ذوق رکھتے تھے۔ جس کا اندازہ اس وقت خاص طور سے ہوتا جب علماء سے خطاب فرماتے۔ مولانا مدرسہ ''کاشف العلوم'' مسجد بنگلہ والی کے اہم ترین اساتذہ میں تھے۔ دعوت و تبلیغ کے ساتھ اخیر عمر تک تفسیر احادیث اور فقہ کے درس میں مشغول رہے۔ آپ ایک صاحب نظر محقق کی طرح درس دیتے تھے۔ درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ کی مصروفیت کے باوجود آپ صاحب قلم بھی تھے۔ ۸ر کتابیں یادگار ہیں۔ خصوصاً ''تلخیص الترمذی'' اور ''تلخیص الطحاوی'' وغیرہ۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے ہی زمانہ سے جبکہ مظاہر علوم میں تعلیمی مراحل طے کر رہے تھے، تبلیغ سے تعلق ہو گیا تھا۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی خصوصی توجہ تھی۔ دین کی ترویج و اشاعت کے لیے باہر ملکوں کا بھی سفر کیا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ ۸ر رجب ۱۴۰۹ھ موافق ۱۵ر فروری ۱۹۸۹ء میں وصال ہوا۔ [2] مولانا افتخار حسین فریدی مرادآبادیؒ، آپ مرادآباد کے مشہور و معروف شخصیتوں میں سے تھے۔ ایک پاؤں سے معذور تھے مگر ہمت کے بلند تھے۔ ایک ہی پاؤں سے دور دراز کا سفر بھی کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حج بیت اللہ بھی۔ جمعیۃ علماء ہند اور مجلس احرار کے پلیٹ فارم سے آزادیٔ ہند میں حصہ لیا۔ تبلیغی جماعت کے سرگرم رکن تھے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں جماعت کا کام جاری کرنے میں آپ کا بڑا حصہ تھا۔ معاشرہ کی اصلاح کی فکر رہتی تھی۔ جب تک چلنے کے قابل رہے مرادآباد کی مختلف مساجد میں کسی بھی نماز میں تشریف لے جاتے۔ مختصر وعظ فرماتے۔ معاشرہ میں پھیلی برائی کے انجام بد سے خبردار کرتے۔ آپ کا اور مولانا فریدی امروہیؒ صاحب سفرنامہ کا سلسلۂ نسب حضرت حاجی محمد موسیٰ فریدی پر جا کر ایک ہو جاتا ہے۔ آپ کا وصال ۲ر رجب ۱۴۱۹ھ موافق ۲۵ر اکتوبر ۱۹۹۸ء میں ہوا۔ (محب الحق)

ان کے ہمراہ مولانا سعید خاں صاحب[1] سہارنپوری امیر جماعت ''مکہ معظمہ'' بھی تھے۔ شیخ شمیم بن[2] شیخ سلیم سے بھی ملاقات ہوئی۔ ''الفرقان'' کے ذریعے ان کو غائبانہ تعارف تھا۔ بہت خوش ہوئے۔ شیخ شمیم سلمہ بڑے خوش خلق صاحب ذوق اور بامروت نوجوان ہیں۔ اس کے بعد ان سے برابر ملاقات ہوتی رہی۔ پھر صدر دفتر صولتیہ میں جا کر ان کے والد ماجد مولانا شیخ سلیم مدظلہ سے ملا ان سے غالباً میرے جانے سے پہلے صاحبزادے نے میری حاضری کا ذکر کر دیا تھا جیسے ہی میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا وہ اس طرح تپاک سے ملے گویا اس سے پہلے کئی مرتبہ ان سے ملاقات ہو چکی ہے۔ کھڑے ہو گئے اور محبت کے لہجے میں فرمایا آیئے ''الفرقانی'' صاحب تشریف لایئے۔ معانقہ کیا اپنے قریب بٹھایا پھر تو شیخ سلیم[3] مدظلہ نے ایک مفصل پر از معلومات گفتگو فرمائی جس میں زیادہ تر مجاہد اسلام مناظر شہیر حضرت کیرانویؒ اور شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے حالات تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ

---

[1] مولانا سعید احمد خاں سہارنپوریؒ کھیڑہ افغان ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے۔ وہیں ۱۹۰۳ء میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اسکول سے شروع ہوئی، میٹرک کا امتحان امتیازی نمبر سے پاس کیا۔ اسی دوران حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے تعلق ہوا تو علم دین حاصل کرنے کا داعیہ پیدا ہوا۔ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔ ابتداء سے انتہاء تک جامعہ میں علوم متداولہ کی تحصیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ، مولانا عبداللطیفؒ، مولانا عبدالرحمٰنؒ، مولانا اسعد اللہ رامپوریؒ مولانا عبدالشکورؒ اساتذہ میں تھے۔ فراغت کے بعد ایک سال مظاہر علوم کی متفرق خدمات انجام دیں۔ بعدہ دہلی چلے گئے اور مرکز تبلیغ کی خدمات میں مصروف ہو گئے۔ ۱۳۶۶ھ'' میں مکہ معظمہ'' منتقل ہو گئے۔ دشواریوں کے رفع ہو جانے کے بعد ہجرت کی نیت کر لی۔ آپ سعودی عرب کے امیر جماعت تبلیغ بنائے گئے۔ مسجد ''النور'' میں متعدد کتابیں پڑھانے کا اتفاق ہوا۔ ''حرمین شریفین'' میں ایک مدت تک ''ریاض الصالحین'، 'البدایہ والنہایہ' اور 'الترغیب والترہیب'' کا درس دیا۔ سلوک و معرفت کے مراحل شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ سے طے کیے اور اجازت و خلافت ملی۔ ۲۶؍رجب ۱۴۱۹ھ میں ''مدینہ منورہ'' میں وصال ہوا اور ''جنت البقیع'' ابدی آرام گاہ بنی۔

[2] جب یہ سفرنامہ لکھا گیا تھا تو مولانا شمیم احمد صاحب بقید حیات تھے۔ ۲؍شعبان ۱۴۰۲ھ موافق یکم مارچ ۱۹۹۲ء میں وصال ہوا۔ [3] جب یہ سفرنامہ لکھا گیا تو مولانا محمد سلیم صاحب بقید حیات تھے۔ ۲؍شعبان ۱۳۹۷ھ موافق ۱۸؍جولائی ۱۹۷۷ء میں وصال ہوا اور ''جنت المعلیٰ'' ابدی آرام گاہ بنی۔ (محب الحق)

"محلہ حارۃ الباب" میں رہتے تھے جو مدرسہ صولتیہ کے قریب ہے۔ دفتر کے بالا خانے سے حضرت حاجی صاحبؒ کے مکان کا محل وقوع دکھائی دیتا ہے۔ شیخ المشائخؒ کے مزار کی زیارت کرانے کا وعدہ شیخ شمیم نے کیا۔ مدرسہ صولتیہ کے قریب جو "خطۂ صالحین" ہے۔ اس کا ذکر بھی آیا۔ اس خطے کو ۱۳۱۰ھ تک قبرستان کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

شیخ سلیم نے حضرت مولانا رحمت اللہؒ[1] کے ان خطوط کا بھی ذکر کیا جو ۱۹۴۷ء کے ہنگامے میں دفتر "ندائے حرم" قرول باغ، دہلی میں ضائع ہو گئے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کے مکتوبات بھی ان کے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ شیخ المشائخؒ اور شیخ المجاہدینؒ کی مہریں بھی وہیں تھیں جو ضائع ہوئیں۔ اس کے علاوہ بہت سے ایسے کاغذات تھے جن کی مدد سے کم از کم دو جلدوں میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی سوانح عمری تیار ہو سکتی تھی یہ کاغذات بھی تلف ہوئے۔ تمغۂ مجیدی جو مولانا رحمت اللہؒ کو سلطان "ترکی" سے ملا تھا وہ بھی اسی ہنگامے کی نذر ہوا۔

---

[1] امیر المجاہدین مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی ولادت کیرانہ ضلع مظفر نگر میں ۱۲۳۳ھ موافق ۱۸۱۷ء میں ہوئی۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت جلال الدین پانی پتیؒ (متوفی ۷۶۵ھ موافق ۱۳۶۳ء) سے متصل ہو کر خلیفہ ثالث داماد رسول حضرت عثمان غنیؓ تک پہنچتا ہے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کر کے دہلی چلے گئے وہاں مولانا محمد حیاتؒ سے تعلیم لی۔ بعدہٗ مفتی سعد اللہ مراد آبادی ثم رامپوریؒ کے پاس لکھنؤ پہنچے۔ مفتی صاحبؒ سے معقولات کی تکمیل کی۔ اس زمانہ میں ہندوستان میں عیسائی مشنری پورے شباب پر تھی۔ عوام پر پروپیگنڈے کا اثر ہونے لگا تھا۔ ۱۲۷۱ھ ۱۸۵۴ء میں آپ نے نصاریٰ کے رد میں "ازالۃ الاوہام" کتاب لکھ کر پوری عیسائی دنیا کو چیلنج کیا اور آگرہ کے مناظرے میں عیسائیوں کے مبلغ پادری "فنڈر" کو شکست فاش دی۔ پادری فنڈر کو یہاں سے ناکام واپس ہونا پڑا۔ ۱۲۷۱ھ ۱۸۵۴ء میں مولانا کا جہاد بالقلم اور جہاد باللسان ۱۸۵۷ء کے جہاد کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ جنگ آزادی میں مردانہ وار حصہ لیا۔ شکست کے بعد گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا۔ اس سے بچتے ہوئے "مکہ معظمہ" پہنچ گئے۔ کیرانہ کی جائیداد بغاوت کے جرم میں ضبط کر لی گئی۔ اسی زمانہ میں پادری فنڈر قسطنطنیہ پہنچا اور اپنی تبلیغی کوشش سے ترکی میں طوفان برپا کر دیا۔ سلطان عبد العزیز والی ترکی نے "مکہ معظمہ" سے مولانا کو طلب کیا۔ جب پادری کو معلوم ہوا تو اس نے راہ فرار اختیار کی۔ سلطان عبد العزیز کی فرمائش پر پادری فنڈر کے اعتراضات کے جوابات اور رد نصاریٰ میں ۱۲۸۰ھ ۱۸۶۳ء میں "اظہار الحق" کتاب تصنیف کی۔ "مکہ معظمہ" میں صولۃ بیگم کلکتہ کے مالی تعاون سے مدرسہ صولتیہ قائم کیا۔ ۲۲ رمضان ۱۳۰۸ھ موافق یکم مئی ۱۸۹۰ء میں داعی اجل کو لبیک کہا اور "جنت المعلیٰ" ابدی آرامگاہ بنی۔ (محب الحق)

شیخ محمد حسین سندھیؒ کا ذکر بھی فرمایا۔ غالباً انھوں نے ''مناسک حج'' میں ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ جس کو مولانا عاشق الٰہی صاحب[1] میرٹھی نے شائع فرمایا دیا تھا۔ اس کا اصلی قلمی نسخہ بھی ایک مجلس میں شیخ صاحب نے دکھایا تھا۔ شیخ صاحب نے وہ جگہ بھی دکھائی جہاں حاجی صاحبؒ اور مولانا رحمت اللہؒ کی یکجائی نشست رہتی تھی۔ ان دونوں ہندوستانی بزرگوں کے تعلیمی و روحانی فیوض آج پوری ایک صدی گزر جانے پر بھی حرم میں نمودار ہیں اس موضوع پر مستقل ایک رسالہ کی ضرورت ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے کارناموں کو سن کر اور پڑھ کر حیرت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی ایک زبردست مصلحت تھی کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے ہند کے بعد ان کو حرم کی سرزمین پر پہنچا دیا اور ان سے مرکز اسلامی میں وہ کام لیا جس کے اثرات راحتی دنیا تک قائم رہیں گے۔ شیخ سلیم نے فرمایا کہ ''المنحل'' میں ایک مضمون شیخ رحمت اللہ کیرانویؒ سے متعلق میں نے شائع کرایا تھا جب وہ پرچہ ''امریکہ'' پہنچا تو وہاں کی

---

[1] مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ۔ آپ میرٹھ کے رہنے والے، وہیں ۵ رجب ۱۲۹۸ھ موافق ۳ جون ۱۸۸۱ء میں ولادت ہوئی۔ چار سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز ہوا۔ چھ سال کی عمر میں قرآن کریم ناظرہ اور اردو کی کتابیں پڑھ لیں اور اس میں اتنی مہارت ہوگئی کہ اخبارات روانی کے ساتھ پڑھنے لگے۔ دو سال انگریزی اسکول میں بھی پڑھا لیکن دل میں علوم دینیہ حاصل کرنے کا جذبہ موجزن تھا۔ میرٹھ کے ''مدرسہ قومی'' جس کو قاسم العلوم والمعارف مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنے آخری زمانہ قیام میرٹھ میں قائم کیا تھا۔ داخلہ لے کر تمام علوم متداولہ کی تحصیل و تکمیل کر کے دستار فضیلت حاصل کی۔ آپ کی دستار بندی میں سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ شریک ہو کر اپنے دست مبارک سے دستار باندھی۔ بعدہٗ لاہور سے مولوی فاضل کا امتحان دیا اور اچھے نمبر لے۔ لاہور جاتے ہوئے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت ہوئے۔ ۱۳۱۷ھ میں دارالعلوم ندوہ لکھنؤ کی طلب پر وہاں جانا ہوا۔ مدرس دوم کی حیثیت سے پچیس روپے ماہوار پر تقرر ہوا۔ آب و ہوا کی ناموافقت کی وجہ سے زیادہ قیام نہ رہا میرٹھ میں ''خیر المطابع'' تجارتی مطبع کھولا۔ تجارت کے ساتھ ساتھ بہترین صاحب قلم بھی تھے۔ ترجمہ قرآن کریم، ارشاد السلوک، تذکرۃ الرشید، تذکرۃ الخلیل، مکاتیب رشیدیہ وغیرہ تصنیف کیں۔ چھ حج کیے۔ مولانا گنگوہیؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری مہاجر مدنیؒ سے رجوع کیا اور اجازت سے نوازے گئے۔ مصروفیت کے باوجود مظاہر علوم کے سرپرست بھی رہے۔ یکم شعبان ۱۳۶۰ھ موافق ۲۵ راگست ۱۹۴۱ء میں وصال ہوا۔ وصیت کے مطابق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ بھی شریک جنازہ تھے۔ (محب الحق)

مشنری نے مجھے خط لکھا کہ جس پرچہ میں مولانا رحمت اللہؒ کے حالات درج ہیں اس کے بارہ عدد دستیاب کر کے بھیج دئے جائیں۔ اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ باطل پرست ہمارے بزرگوں کے کارناموں سے واقفیت پیدا کرنے کی کتنی فکر رکھتے ہیں۔ ایک ہم ہیں کہ اپنے بزرگوں کی سیرت سے اور ان کے کاموں سے ناواقف ہوتے چلے جارہے ہیں۔

مولانا رحمت اللہؒ کی مشہور آفاق کتاب ''اظہار الحق'' [۱] جس نے پوری مسیحی دنیا میں ہلچل ڈال دی ہے اور جس نے نصاریٰ کے عقائد باطلہ کی پوری قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ آج کتنے مسلمان اہل علم ہیں جنھوں نے اس کتاب کو پڑھا ہو یا اس کے مندرجہ مسائل وحقائق کو کسی سے بطور خلاصہ کے ہی سننے کی کوشش کی ہو۔ شیخ سلیم فرماتے تھے کہ حضرت مولانا رحمت اللہؒ نے ''اظہار الحق'' کو خلیفۃ المسلمین کی فرمائش پر قسطنطنیہ میں بیٹھ کر عربی زبان میں مرتب [۲] فرمایا ہے۔ اس کا ترکی، انگریزی (اردو اور گجراتی) میں بھی ترجمہ ہوگیا ہے۔ مناظر اسلام مولانا شرف الحق صاحب [۳] دہلویؒ کے متعلق فرمایا کہ انھوں نے ''اظہار الحق'' کو سبقاً سبقاً حضرت مولانا رحمت اللہؒ سے پڑھ کر سند حاصل کی تھی۔ ''ایک مجاہد معمار'' یہ رسالہ حضرت کیرانویؒ کے مختصر حالات میں ہے شیخ سلیم نے یہ رسالہ بھی

---

۱ اظہار الحق کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت کے بعد ''ٹائمز آف لندن'' نے اس پر تبصرہ بھی لکھا تھا کہ ''لوگ اگر اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی بند ہو جائے گی'' (ایک مجاہد معمار) (فریدی)

۲ خلیفۃ المسلمین سے پہلے ''حرم مکہ'' کے علماء میں سے ایک نے پہلے فرمائش کی تھی جیسا کہ مولاناؒ نے کتاب کے دیباچہ میں اس کو واضح کیا ہے۔

۳ مولانا شرف الحق دہلویؒ۔ آپ کو مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے ارادت تھی اور مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے رفیق کار تھے۔ رد نصاریٰ خاص موضوع تھا۔ مولانا دہلویؒ کی تبلیغی جد و جہد رانچی کے علاقہ میں دیکھی جا سکتی ہے جہاں عیسائی آدی باسی رہتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد عیسائی مشنریوں نے اس علاقہ کے غریب آدی باسی کو عیسائی بنانا شروع کر دیا تھا۔ مولانا اس علاقہ میں گاؤں گاؤں پھر کر آدی باسیوں کو مسلمان بناتے، انہیں غسل کراتے، کلمہ نماز سکھاتے۔ آپ کی اس جاں کاہی کی وجہ سے اب وہاں مسلمان نظر آتے ہیں۔ مولانا امداد صابری آپ کے صاحبزادے تھے۔ (محب الحق)

عنایت فرمایا۔ ڈاکٹر وزیر خاں[1] کا بھی ذکر خیر کیا غرضکہ شیخ سلیم مدظلہ ایک مستقل تاریخ ہیں اور اکابر سے متعلق معلومات کا ایک کافی ذخیرہ اپنے حافظے میں لیے ہوئے ہیں۔

شیخ سلیم نے اپنے والد ماجد شیخ محمد سعیدؒ برادرزادہ حضرت مولانا رحمت اللہؒ کا واقعہ بھی سنایا کہ وہ ''انبالے'' کے مشن اسکول میں داخل ہو گئے تھے۔ حضرت مولانا رحمت اللہؒ کو جب یہ خبر پہنچی تو سخت ناراض ہوئے بالآخر ''مکہ معظمہ'' بھیجے گئے اور حضرت مولانا کیرانویؒ کی تربیت میں رہے اور دینی تعلیم حاصل کی۔ شیخ سلیم نے یہ بھی ذکر فرمایا کہ ''مناظرہ آگرہ'' کی اردو زبان میں جو روداد تھی اس کا نام ''مراسلاتِ مذہبی'' تھا۔ اس مجلس میں یہ بھی فرمایا کہ ''کرنال'' میں ۱۸۵۷ء کے مقدمے کی مسل رکھی ہوئی ہے اس میں حضرت مولاناؒ کا ''باغی رحمت اللہ'' کے نام سے ذکر کیا گیا ہے اس کی نقل شیخ مدظلہ نے حاصل کر لی تھی لیکن یہ نقل بھی ۱۹۴۷ء میں ضائع ہوئی۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ[2] کا کتب خانہ مدرسہ صولتیہ کے کتب خانے میں

---

[1] ڈاکٹر وزیر خاں کا بہار کے شرفائے افاغنہ سے تعلق تھا، مرشد آباد میں انگریزی پڑھی۔ ڈاکٹری کی تعلیم کے لیے لندن گئے وہاں اسسٹنٹ ڈاکٹر کی ڈگری ملی۔ آگرہ میں سب اسسٹنٹ سرجن رہے۔ انگریزی زبان پر کافی عبور تھا۔ لندن سے انجیل اور تورات کی شرحیں لائے تھے۔ عیسائیت کے لٹریچر پر مطالعہ وسیع تھا۔ آگرہ کے مناظرہ میں ڈاکٹر صاحب مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے معاون رہے۔ جنگ آزادی میں بھی حصہ لیا۔ آگرہ، دہلی، لکھنؤ اور بدایوں میں انگریزی فوجوں سے معرکہ ہوا۔ ناکامی کے بعد حجاز چلے گئے۔ ''مکہ معظمہ'' میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے پاس مقیم رہے۔ وہاں ڈاکٹری شروع کر دی۔ حکومت انگلشیہ نے ترکی حکومت کے ذریعہ گرفتار کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ملی۔ ڈاکٹر صاحب کا ''مکہ مکرمہ'' میں ہی وصال ہوا۔ [2] شیخ المشائخ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ۔ آپ کا پدری وطن تھانہ بھون، مادری وطن نانوتہ ضلع سہارنپور ہے۔ نانوتہ ہی میں ۲۲ر صفر ۱۲۳۳ھ ۱۸ر اپریل ۱۸۱۸ء میں ولادت باسعادت ہوئی۔ سلسلۂ نسب فروخ شاہ کابلی کے واسطے سے حضرت عمر فاروق اعظمؓ سے متصل ہوتا ہے۔ علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد جو کافیہ تک تھی، حضرت شیخ نور محمد جھنجھانویؒ سے منازل سلوک طے کیں۔ ان سے پہلے شاہ نصیر الدین دہلویؒ سے نقشبندیہ سلسلہ میں اجازت تھی۔ آپ کے خلفاء ہندوستان کی عظیم شخصیتیں تھیں۔ خصوصاً قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، قاسم العلوم والمعارف حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، سید العلماء مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ، .... مسلسل

''فیوض امدادیہ'' کے نام سے شامل کر لیا گیا ہے۔اس کے اور تمام کتب خانے کے دکھانے کا شیخ سلیم مدظلہ نے وعدہ فرمایا ہے۔فرماتے تھے کہ میں ہر ایک کو کتب خانہ نہیں دکھاتا ہوں اور اس کی وجہ بھی بیان کی۔حضرت مولانا رحمت اللہؒ کے چند خطوط ان کے پاس ابھی موجود ہیں ان کی نقل دینے کا بھی وعدہ فرمایا۔

۱۷/اپریل (دوشنبہ) کو بعد عصر دفتر صولتیہ نزدیک ''مسجد الحرام'' میں گیا۔وہاں تبلیغی جماعت کے اکابر سے ملاقاتیں ہوئیں۔حکیم محمد یامین صاحب[۱] مظفر نگری مدظلہ سے سب سے پہلے یہیں ملاقات ہوئی۔اس کے بعد برابر ملاقات ہوتی رہی ان کی نوازش بھی یاد آتی ہیں۔بڑے منتظم، بڑے خوش مزاج انسان ہیں۔شیخ رشید فارسی سے بھی آج یہیں ملاقات ہوئی۔یہ چار مہینے تبلیغی جماعت کی دعوت پر ہندوستان و پاکستان کا دورہ کر چکے ہیں۔انھوں نے کل ناشتہ پر جماعت کے چند افراد کو مدعو کیا ہے۔

۱۸/اپریل (بروز سہ شنبہ) صبح کی نماز کے بعد پہلے مدرسہ صولتیہ گیا وہاں سے مولانا عبید اللہ صاحب اور مولانا افتخار فریدی کے ہمراہ شیخ رشید کے یہاں پہنچا۔مولانا سعید خاں حاجی غلام رسول مالیگاؤی[۲] اور دو تین تبلیغی رفقاء اور بھی مدعو تھے۔شیخ رشید نے ناشتہ میں بڑا اہتمام کیا تھا کئی قسم کا کھانا، حلوہ، زیتون اور مربہ، دستر خوان پر تھا۔عرب کا ایک خاص

مسلسل.....حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔مریدین کی تعداد لاکھوں تک ہے۔آپ کے فیض سے نہ صرف ہندوستان بلکہ سارا عالم فیضیاب ہوا۔وطن کی آزادی کے لیے ۱۸۵۷ء میں آپ کی امارت میں شاملی کے میدان میں اکابر دیوبند نے بھرپور حصہ لیا مگر ناکامی ہوئی۔شکست کے بعد ''مکہ معظمہ'' ہجرت کر گئے۔وہاں چودہ سال قیام رہا۔رشد وہدایت کی مشغولیت کے باوجود خلفاء اور مریدین کی رہبری کے لیے ''ضیاء القلوب، ارشاد مرشد، جہاد اکبر، غذائے روح'' کتابیں تصنیف کیں۔۲۲/جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ موافق ۱۸/اکتوبر ۱۸۹۹ء میں وصال ہوا۔''جنت المعلیٰ'' ابدی آرام گاہ بنی۔

[۱] آپ مولانا شیخ محمد سلیم کے بہنوئی اور شیخ محمد سعیدؒ کے داماد تھے۔

[۲] آپ مالیگاؤں (مہاراشٹر) کے رہنے والے تھے۔ (محب الحق)

کھانا ''مطبخ'' بھی یہیں کھانے کا اتفاق ہوا۔ شیخ رشید بڑی محبت سے سب کو کھلاتے رہے ''مطبخ'' کے متعلق فرمایا کہ جب یہ دسترخوان پر ہو تو دوسرے کھانوں کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہیے۔ بعدہ ''فنجان'' کا دور چلا۔ اسی دوران میں شیخ رشید نے بڑی فصیح و بلیغ عربی میں گفتگو فرمائی اور دیر تک تبلیغی جماعت کو مشورے دیتے رہے۔

۱۹/ اپریل (چہارشنبہ) آج مدرسہ صولتیہ کا کتب خانہ دیکھا۔ شیخ شمیم نے کافی وقت دیا کتب خانہ کی نئی تشکیل ہو رہی ہے۔ کتابوں کی فہرستیں دیکھنے ہی میں کافی وقت صرف ہو گیا۔ حاجی صاحبؒ کی کتابیں نہ دیکھ سکا۔ اس کے لیے دوبارہ کتب خانہ دکھانے کا وعدہ کیا گیا۔ اس کتب خانے میں تمام علوم وفنون کی درسی وغیر درسی مطبوعہ اور قلمی کتابوں کے علاوہ فن مناظرہ سے متعلق بڑی کثرت سے کتابیں موجود ہیں۔ تمام مذاہب باطلہ کے رد میں خصوصاً عیسائیوں کے رد میں بہت سی کتابیں ہیں۔ بہت سی کتابیں وہ ہیں جو ہندوستان میں چھپی ہیں لیکن یہاں ان کا وجود کمیاب ہے۔ دوبارہ بعد ایام حج اس کتب خانے کو دیکھا حضرت حاجی صاحبؒ کی کتابوں کو خاص طور پر تلاش کیا۔ وقت تھوڑا تھا اس لیے کم کتابیں دیکھ سکا۔ تلاش میں زیادہ وقت گذر گیا۔ ایک مجلد مجموعے میں ایک قلمی رسالہ ''مونس مہجوراں'' نام کا تھا جو حکیم محمد ضیاء الدین صاحب[1] رامپوریؒ کی تالیف تھا انھوں نے اس کو اپنے پیر و مرشد شہید راہ حق حضرت حافظ محمد ضامن فاروقی چشتی تھانویؒ کے حالات میں لکھا ہے۔ اس مجموعہ میں ایک جگہ حضرت حاجی صاحبؒ کی مہر لگی ہوئی ہے۔ سید علوی مالکی سے دفتر صولتیہ نزد ''مسجد الحرام'' میں آج سرسری ملاقات ہوئی۔

---

[1] حکیم ضیاء الدین رامپوریؒ رامپور منہیاراں ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے۔ پہلے حضرت حافظ محمد ضامن فاروقی شہیدؒ سے بیعت ہوئے۔ ان کی شہادت کے بعد حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے رجوع کیا اور خلافت ملی۔ حافظ محمد ضامن شہیدؒ کی شہادت کے بعد ان کے حالات میں ''مونس مہجوراں'' کتاب لکھی۔ یہ کتاب مدرسہ صولتیہ کے کتب خانہ میں حاجی صاحبؒ کے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے۔ صاحب سفرنامہ مولانا فریدیؒ نے اس کا خلاصہ ماہنامہ ''تذکرہ دیوبند'' میں شائع کرادیا تھا۔ اب مقالات فریدی جلد اول میں شامل ہے۔ وہاں ملاحظہ کریں۔ (محب الحق)

۲۰/اپریل (پنج شنبہ) آج بعد نماز ظہر دفتر صولتیہ میں تبلیغی جماعت کے حضرات کے ساتھ کھانا کھایا۔ ''مسجد شہداء'' میں جمعرات کے دن بعد مغرب اجتماع ہوتا ہے وہاں جانا نہ ہوسکا۔

۲۱/اپریل آج جمعہ کا دن ہے ''مقام ابرہیم'' کے قریب نماز جمعہ پڑھنے کے لیے جگہ بمشکل مل گئی اور خطیب کو خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھنے کا بس اسی جمعہ کو اتفاق ہوا۔

۲۲/اپریل (شنبہ) آج بعد عصر شیخ شمیم کی کار میں بیٹھ کر ''جنت المعلی'' جانا ہوا۔ مولانا عبیداللہ صاحب اور مولانا افتخار فریدی ہمراہ تھے۔ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے مزارات پر نیز حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ اور حضرت مولانا رحمت اللہؒ کی قبروں پر حاضر ہوکر فاتحہ پڑھی۔ یہ آخرالذکر دونوں بزرگ زندگی میں بھی ساتھ ساتھ رہے اور بعد وفات بھی قریب قریب ہی ابدی نیند سو رہے ہیں۔ تمام معلوم اور نامعلوم اکابر ملت اور عامۃ المومنین کی قبور پر فاتحہ خوانی کی۔ ملا علی قاریؒ (شارح بخاری) کا مزار دور سے دیکھا۔ مغرب کا وقت قریب تھا اس لیے جلد وہاں سے واپسی ہوئی۔ دوبارہ بعد فراغت حج ''جنت المعلی'' میں حاضری ہوئی تھی۔ ''جنت المعلی'' میں صحابہؓ اور تابعینؒ کی اتنی بڑی تعداد تو دفن نہیں ہے جتنی ''مدینہ منورہ'' کی ''جنت البقیع'' میں۔ پھر بھی ایک کثیر تعداد میں عظیم الشان تاریخی اور روحانی شخصیتیں یہاں زیر زمین محو آرام ہیں۔

طبیعت کے اندر شدید تقاضا تھا کہ کسی طرح قبل حج ہی ''مدینہ منورہ'' پہنچ جاؤں چنانچہ ۲۵/اپریل (سہ شنبہ) کو بعد عصر ''مدینہ منورہ'' کو روانگی ہوئی۔ حکیم محمد احسن صاحب سنبھلی کا قافلہ بھی اسی دن دوسری بس سے روانہ ہوا۔ آخری وقت میں عشاء کی نماز ''مسطورہ'' میں پڑھی اور رات وہیں بسر کی۔ صبح کی نماز بھی غالباً وہیں پڑھی۔ اس کے بعد ''بدر'' کی منزل آئی۔ ''شہدائے بدر'' کی زیارت کا اشتیاق پیدا ہوا یہاں سے کچھ ہی فاصلے

پر وہ تاریخی میدان ہے جہاں پر ''تین سو تیرہ'' جانبازوں نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور دینِ حق کی حمایت میں سر دھڑ کی بازی لگائی تھی۔ ''اصحابِ بدر'' کی بدولت آج تک ''ہفت کشور'' میں اسلام کی روشنی پھیل رہی ہے اور پھیلتی رہے گی۔ یہ وہ قدوسی حضرات ہیں جن کے اسماء کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ ان شمعِ ہدایت کے پروانوں کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے ''میدانِ بدر'' میں عرض معروض کرتے ہوئے جو فرمایا تھا اس کا مفہوم یہ تھا کہ ''اے اللہ! یہ مٹھی بھر میرے ساتھی میری آج تک کی محنت کا نتیجہ ہیں اس ''آسمانِ نیلگوں'' کے نیچے پوری کائنات میں میرے ان جاں نثاروں کے علاوہ توحید کے علمبردار اور داعی کہیں موجود نہیں ہیں اگر یہ ختم ہو گئے تو پھر تیری پرستش قیامت تک نہ ہو سکے گی تیری ذات مستغنی ہے اب تو جانے تیرا کام۔''

ظاہر ہے کہ نبوت ختم ہو چکی تھی کوئی نبی آپؐ کے بعد آنے والا نہ تھا جس کے ذریعہ علمبردارانِ توحید وجود میں آتے۔ کچھ اس ناز سے یہ التجا کی تھی کہ رحمتِ الٰہی کو جوش آ گیا اللہ تعالیٰ نے فتحِ مبین عطا فرمائی اور اسلام کو سربلندی حاصل ہوئی اور بلندی حاصل ہوتی چلی گئی۔

مجھے یہ مقام دیکھنا تھا کہ عقیدت کی آنکھوں سے روح وقلب کی تڑپ کے ساتھ مگر اتفاق کی بات ''میدانِ بدر'' کے لیے بس کرایہ پر طے کر لی تھی کہ اطلاع ملی کہ وہ بس جس پر ہم بیٹھے ہوئے تھے اور جس کو ''مدینہ منورہ'' جانا تھا بگڑ گئی ہے۔ مجبوراً اسی دوسری بس میں جس کو ''بدر'' تک لے جانے کے لیے ٹھہرایا تھا ''مدینہ منورہ'' جانے کے لیے سب سامان لادھا گیا اور پھر واپسی میں بھی اس مقدس تاریخی میدان کی زیارت کا موقع نہ مل سکا۔

بدر سے جو ڈرائیور ہمیں ''مدینہ منورہ'' تک لے گیا اس کا نام ''حسین بن حسن جہنی'' تھا۔ یہ نوجوان پہلے ڈرائیور کے مقابلہ میں بہت ہی ہمدرد تھا وہ ہمیں ''بدر'' سے آگے کی منزلیں بتاتا چلا گیا۔ جب ''مدینہ منورہ'' قریب آیا اور ''گنبدِ خضرا'' چمکا تو مخصوص عربی لہجے میں اس نے سب کو مطلع کیا دل کا عجیب عالم تھا اس موقع پر بے ساختہ مولانا محمد علی جوہر

مرحوم کے یہ شعر میری زبان پر تھا اور میں ان کو بار بار پڑھ رہا تھا۔

کلفتِ قطعِ منازل ہوئی کافور ہے آج ☆ ہیں "مدینہ" سے جو نزدیک تو سب دور ہے آج
سنگِ در تک تو بہر کیف رسائی بخشی ☆ دیکھوں کیا کیا میرے سرکار کو منظور ہے آج

اب ہم بابِ عنبریہ سے "مدینۃ الرسول" میں داخل ہو گئے بس اپنے مقام پر آ کر رک گئی لو یہ "مدینہ منورہ" آ گیا، ساری عمر سے اس کے دیکھنے کی تمنا تھی اب تھوڑی دیر میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری نصیب ہوگی، روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب "مواجہ شریف" میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا موقع ملے گا۔ پاسپورٹ کا مرحلہ طے ہونے کے بعد بہاء الدین صاحب مزوّر کے دفتر میں پہنچے۔ ظہر کی نماز تیار تھی نائب مزوّر نے اپنی رہنمائی میں ہم کو "باب جبرئیل" سے "مسجد نبویؐ" میں پہنچایا۔ کیف ونشاط کا جو عالم تھا اس کو نہ پوچھئے۔ آرام گاہِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نظروں کے سامنے ہے، اس مسجد میں ہم نماز ادا کر رہے ہیں جو مدتوں "مہبطِ وحی" رہ چکی ہے۔ یہ مسجد نبویؐ ہے اس کی ایک ایک اینٹ، اس کا ایک ایک ستون، اس کا ایک دروازہ، اس کا ایک ایک مینارہ، بلکہ ایک ایک ذرّہ ایمان وایقان کے واقعات سے لبریز ایک مستقل تاریخ ہے۔ اس کے بام ودر پر ایک ایسی خاموش مگر مکمل داستانِ ماضی ثبت ہے جس کی سرخی خونِ دل سے لکھی گئی ہے۔ میں نے عرصہ ہوا کہا تھا۔

فریدی چلو چل کر روضے پہ کہنا ☆ سلام آپ پر تاجدارِ مدینہ

آج یہ الفاظ حقیقت بن کر سامنے آ رہے ہیں ایک مرتبہ کہا تھا۔

کاش وہ دن بھی میسر ہو فریدی مجھ کو ☆ جا کے میں عرض کروں اس شہِ ذیشاں کو سلام

آج براہِ راست سلام عرض کرنا کا موقع مل ہی گیا۔ یہ محض اللہ کا فضل ہے اور بزرگوں اور دوستوں کی دعاؤں کی برکت ورنہ میں ضعیف ومعذور، بے زور و بے پر اس قابل کہاں تھا کہ یہ دولت نصیب ہو جاتی۔

سرکارِ مدینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں صلوٰۃ وسلام پیش کر کے اور شیخین معظمین ؓ کے اوپر سلام عرض کر کے مسجد نبویؐ سے باہر آئے ایک مکان کرایہ پر لیا۔ پندرہ دن رہنے کا ارادہ ہے دس دن ضابطے میں ملیں گے اور پانچ دن کے لیے فی کس ایک ریال یومیہ کے حساب سے قانونی ٹیکس ادا کیا جائے گا۔

۲۶؍اپریل (چہار شنبہ) آج مولانا سید مغیث الدین صاحب[۱] چاند پوری مہاجر مدنی سے ان کے مکان واقع ''زقاق طیار'' میں ملاقات ہوئی۔ یہ گلی حضرت جعفر طیارؓ کے نام نامی سے منسوب ہے۔ مولانا چاند پوری حضرت مولانا محمد انور شاہ محدث کشمیریؒ کے شاگرد اور مولانا ابوالسعد احمد خاں نقشبندیؒ کے خلیفۂ مجاز ہیں۔ ان کے بھائی حافظ سید ظہور حسین صاحب[۲] ہمارے مدرسہ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں معلّمِ قرآن ہیں۔ حافظ صاحب سے تعلق رکھنے والے ''امروہہ'' کے حجاج ان کے بھائی سے بھی جا کر ملتے ہیں اور حافظ صاحب بھی اپنے بھائی کو لکھ دیتے ہیں کہ فلاں فلاں اشخاص حاضر ہوں گے۔ ان کی خاطر تواضع کرنا اور ہر قسم کا خیال رکھنا۔ چنانچہ مولانا چاند پوری نے ہمارے لیے اپنے ہاتھ سے چائے بنائی ایک خاص قسم کی روٹی بازار سے منگوائی اور مُرغے کا سالن آگے رکھا۔ ماسٹر علاء الدین صاحب میرے ہمراہ تھے۔ بڑی محبت سے ناشتہ کرایا اپنے حالات سناتے رہے اس کے بعد مولانا موصوف برابر ملتے رہے۔ ایک مرتبہ ہماری قیام گاہ پر خود تشریف لائے بڑے متواضع، سادہ مزاج اور سادہ لباس ہیں۔ توکل وقناعت سے دیارِ حبیب

---

۱ آپ کا وصال ۲۹؍شوال ۱۳۹۱ھ موافق ۱۹۷۱ء میں ہوا۔ ''جنت البقیع'' میں دفن ہوئے۔ ۲ حافظ سید ظہور حسین چاند پوری ثم امروہی۔ آپ چاند پور ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ کے استاذ حفظ تھے۔ بہت سے حفاظ نے آپ سے استفادہ کیا جو اپنے وقت کے جید حفاظ میں ہوئے۔ آپ نے امروہہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ قاری محبوب حسین مرحوم، قاری مطلوب حسین اور قاری مرغوب حسین۔ قاری مرغوب حسین کئی سال جامعہ میں استاذ تجوید رہے۔ آپ کا وصال ۲۴؍رجون ۱۹۶۴ء میں ہوا۔ مؤخر الذکر دونوں صاحبزادے بقیدِ حیات ہیں۔ (محب الحق)

صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ پہلے شربت کی ایک دوکان تھی اب گھٹنوں کے درد کی شکایت کی وجہ سے اس دوکان کو چھوڑ دیا ہے، مکان ذاتی ہوگیا ہے اور کرایے کے مکان کی زیرباری سے سبکدوش ہوگئے ہیں۔

۲۷/اپریل (بروز پنج شنبہ) صبح کے وقت نائب مزوّر نے مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کرائی، پہلے "اُحد" گئے۔ سید الشہداء حضرت حمزہؓ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر شہداء اس میدان میں زندگیٔ جاوید کی دولت لیے ہوئے محوِ آرام ہیں۔ یہ ایک ایمان انگیز اور سکون خیز تقدس آثار میدان ہے۔ اس "گنجِ شہیداں" میں پہنچ کر صحابہ کرامؓ کی سرفروشی و جانبازی کی تاریخ زندہ حقیقت بن کر دل و دماغ پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اللہ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان پروانوں نے اپنی ایمانی قوت اور ایقانی طاقت کا کتنا حیرت انگیز مظاہرہ کیا تھا۔ اپنی عزیز جانیں اسلام پر قربان کر دیں، اپنے خون کے آخری قطرے، اسلام کی عزت و ناموس پر نچھاور کر دیئے۔ ان قربانیوں ہی سے تو یہ شجرِ اسلام سرسبز و شاداب ہوا تھا۔ ان عشاق نے بے نظیر جرأت و استقلال سے کام لے کر اسلام کی لاج رکھ لی تھی۔ صفحاتِ تاریخ میں کسی نبی کی امت میں ایسے باحمیت و وفا شعار، سرفروش و جانباز اور بلند کردار انسان ڈھونڈھے سے نظر نہ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے درد و عشق کا ایک ذرہ ہی نصیب فرمادے۔

پھر "مسجد قبلتین" اور "مسجد فتح" وغیرہ کی زیارت کی بعدہٗ "مسجد قبا" گئے۔ سب مساجد میں دو دو رکعتیں تحیۃ المسجد کی پڑھیں۔ حکیم محمد احسن صاحب مع قافلہ ہمراہ تھے۔

اسی دن بعد نماز عصر حضرت مولانا بدر عالم محدث میرٹھی[1] مہاجر مدنی سے ملاقات

---

[1] مولانا سید بدر عالم میرٹھی کی ولادت ۱۳۱۶ھ موافق ۱۸۹۸ء میں بدایوں میں ہوئی۔ وہاں آپ کے والد محکمۂ پولس میں انسپکٹر تھے۔ قرآن کریم پڑھنے کے بعد اسکول میں داخل ہوئے۔ بدایوں سے آپ کے والد کا تبادلہ الہ آباد ہوگیا۔ وہاں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تشریف آوری ہوئی۔ ایک مسجد میں حکیم الامتؒ کی تقریر سننے کا اتفاق ہوا۔ اس تقریر سے متاثر ہو کر اسی وقت علوم دینیہ حاصل کرنے کا فیصلہ کیا اور............ مسلسل

کرنے ان کی قیام گاہ پر گیا۔ وہ عرصہ سے علیل ہیں۔ صاحب فراش ہیں، ان سے ہندوستان میں میری کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اس وجہ سے بھی ملاقات کا اشتیاق تھا۔ حضرت مولانا میرٹھی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ محدث کشمیریؒ کے خاص شاگرد ہیں۔ ''ترجمان السنۃ'' ان کی معرکۃ الآرا تالیف ہے۔ اس میں نزول مسیح علیہ السلام کے مسئلے پر بھی ایک مقام پر سیر حاصل بحث ہے۔ یہ مضمون علیحدہ کتابی شکل میں بھی شائع ہوا ہے۔ میں نے اس مضمون کا ذکر کیا تو فرمایا کہ میں نے یہ مضمون ایک نئے انداز میں لکھا ہے۔ اگر یہ مضمون قادیانیوں کو دکھایا جائے یا ان کو جو قادیانیت سے متاثر ہو گئے ہیں تو بہت ہی مفید ثابت ہوگا پھر فرمایا کہ میں نے مولویوں کے دیکھنے کے لیے یہ مضمون نہیں لکھا جہاں ضرورت ہے وہاں دکھاؤ تو فائدہ ہو۔ فرمایا کہ قادیانیوں کی تردید کرنا میرا بچپن سے مشغلہ تھا

مسلسل...... اپنی خواہش کا اظہار والد صاحب سے کیا۔ انھوں نے ۱۳۳۰ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کی خدمت میں سہارنپور بھیج دیا۔ جامعہ مظاہر علوم میں ابتداء سے دورۂ حدیث تک تمام علوم کی تحصیل کر کے ۱۳۳۶ھ میں سند فراغت حاصل کی اور وہیں معین مدرس مقرر ہو گئے۔ مزید علم کی طلب قلب میں موجزن تھی۔ مرکز علوم دارالعلوم دیوبند کی مسند صدارت پر علامہ انور شاہ محدث کشمیریؒ رونق افروز تھے۔ دیوبند جا کر حضرت کشمیریؒ کے درس حدیث میں شریک ہو کر دوبارہ صحاح ستہ پڑھی۔ آپ محدث کشمیریؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ چند سال دارالعلوم میں بھی درس دیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل چلے گئے وہاں تدریس کے ساتھ محدث کشمیریؒ کے درس بخاری میں شریک ہو کر ان کے درسی افادات لکھتے رہے جن کو بعد میں عربی میں مرتب کر کے ''فیض الباری'' کے نام سے چار جلدوں میں شائع کرایا۔ آپ مدرسہ ڈابھیل کے صدر مدرس بھی رہے۔ مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم دیوبند، مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل، جامع العلوم بہاولپور، جامعہ اسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ تقسیم کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے وہاں سے ''مدینہ منورہ'' ہجرت کی۔ سلوک کی منازل حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ بعدہ حضرت مولانا قاری محمد اسحاق میرٹھیؒ سے طے کر کے اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ بیعت ساؤتھ افریقہ وغیرہ میں کافی پھیلا۔ درس وتدریس اور رشد وہدایت کی مصروفیت کے باوجود آپ اچھے صاحب قلم بھی تھے۔ ''ترجمان السنۃ، ترجمہ حزب الاعظم، جواہر الحکم، حاشیہ بیضاوی، شان حضورؐ، نزول عیسیٰؑ'' وغیرہ تصنیفات میں ہیں۔ ۵ر رجب ۱۳۸۵ھ میں وصال ہوا۔ ''جنت البقیع'' میں دفن ہیں۔ (محب الحق)

اور یہ مصرعہ پڑھا ؎ مرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ تھا

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت محدث کشمیریؒ کی دس سال کی صحبت نے اس رد قادیانیت کے ذوق کو اور بڑھا دیا، پھر فرمایا کہ اگر قادیانیت کے رد کا شوق ہو اور اس موضوع پر کچھ کتابیں بھی دیکھی ہوں تو میں کچھ باتیں کسی وقت اس کے متعلق کروں۔ میں نے اس موضوع پر حضرت مولانا کے افادات کا اشتیاق ظاہر کیا اور یہ بھی عرض کیا کہ رد قادیانیت کے موضوع پر چند کتابیں دیکھ چکا ہوں۔ حضرت مولانا نے اتوار اور پیر دو دن اس کے لیے مقرر کیے اور عربی ٹائم سے دو بجے کا وقت مقرر کیا۔

حضرت مولانا نے شاہجہاں پور میں اپنی ایک تقریر کا بھی ذکر کیا۔ فرمایا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے مجھ سے ایک دن دریافت فرمایا کہ تم رد قادیانیت کے سلسلے میں شاہجہاں پور چلے جاؤ گے؟ میں وہاں جانے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ حالانکہ وہاں قادیانیوں نے یہ شرط رکھی تھی کہ اہل حق کے فقط دس آدمی جلسے میں مقرر کے ہمراہ ہوں گے باقی مجمع ان ہی کا ہوگا۔ میں نے شاہجہاں پور پہنچ کر اس سے بھی کم یعنی صرف چار آدمی اپنے ساتھ لیے اور محض ''قرآن مجید'' سے رفع مسیح علیہ السلام کو ثابت کیا۔ اس تقریر کا اچھا اثر ہوا صدر جلسہ جو قادیانیت کا اثر لئے ہوئے تھا میری تقریر سے متاثر ہوا اور خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔

نماز مغرب میں تھوڑی دیر رہ گئی تھی کہ ''جنت البقیع'' گیا۔ در حقیقت ''حالی'' کا یہ شعر اس مقدس قبرستان ہی پر پورا پورا صادق آتا ہے۔

چپے چپے پہ ہیں یاں گوہر یکتا تہ خاک ☆ دفن ہوگا نہ کہیں اتنا خزانہ ہرگز

دو کے علاوہ باقی تمام ازواج مطہراتؓ یہیں مدفون ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ، عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباسؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں، حلیمہ سعدیہؓ، حضرت حسنؓ، حضرت زین العابدینؒ، حضرت محمد باقرؒ، حضرت جعفر صادقؒ اور ہزار ہا صحابہؓ و تابعینؒ یہاں دفن ہیں۔ حضرت امام مالکؒ اور ان کے استاذ حضرت نافعؒ کی قبریں

اسی قبرستان میں ہیں۔ غرضکہ ایک عظیم الشان کثیر التعداد مجمع صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور بزرگانِ دین کا یہاں سو رہا ہے۔ ''جنت البقیع'' چند مرتبہ جانا ہوا اور ہر مرتبہ چشم دل نے تاریخ تقدس کے زریں اوراق کا مطالعہ کیا۔ کتنے خوش نصیب ہیں ''جنت البقیع'' میں آرام کرنے والے کہ قیامت تک جوارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مفتخر و معزز فیضیاب و کامگار رہیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ ہی محشور ہوں گے۔

بعد مغرب مشہور مبلغ مولانا عبد الملک صاحب[1] جامعی مراد آبادی سے (جو عرصہ سے ''مدینہ منورہ'' میں تبلیغی سرگرمیوں میں مشغول ہیں) ملاقات ہوئی بہت خوش ہوئے کچھ دیر گفتگو فرماتے رہے اور مسرت کا اظہار کیا پھر فرمایا کہ اس وقت حضرت مولانا عبد اللہ درخواستی کی تقریر تبلیغی جماعت کے اہتمام سے ''مسجد نبویؐ'' کے غربی حصے میں ہو رہی ہے یہ ان کی ''مدینہ منورہ'' کے قیام کی آخری تقریر ہے وہ کل ''مکہ معظمہ'' جا رہے ہیں۔ ان کی

---

[1] مولانا محمد عبد الملک جامعی مراد آبادی ثم مدنیؒ۔ آپ کی ولادت مراد آباد میں ۱۹۱۲ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم بجنور میں حاصل کی۔ وہاں آپ کے والد مولوی عبد القیوم اخبار ''مدینہ'' کے کاتب تھے۔ جامعی صاحب کے اساتذہ میں قاضی محمد عدیل عباسی، مولانا امین احسن اصلاحی اور ملک نصر اللہ خاں عزیز تھے۔ خطاطی کی تکمیل اپنے والد ماجد، منشی علی حسن جونپوری اور منشی محمد قاسم لدھیانوی سے کی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے بی اے کیا اور خصوصی استفادہ ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر عابد حسین اور منشی علی محمد خاں فرخ آبادی سے کیا۔ ۱۹۳۲ء میں سیرت پاک کی عالمگیریت کے عنوان پر آل انڈیا تحریری مقابلہ میں اول انعام مدراس سے حاصل کیا۔ پھر ۱۹۳۴ء میں مسلمانوں کا زوال اور اس کا علاج کے موضوع پر آل انڈیا تحریری مقابلہ میں حیدر آباد سے اول انعام ملا۔ جامعہ ملیہ میں تبلیغی کام کے لیے اکابر مرکز نظام الدین نے آپ کو منتخب کیا۔ جامعہ ملیہ کے ڈپٹی ڈائریکٹر تعلیم و ترقی پر فائز رہے اور اخبار ''زمزم'' لاہور کی ادارت بھی سپرد رہی۔ دوسری عالمگیر جنگ کے بعد بہار و بنگال میں مسلمانوں کا قتل عام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے نصاریٰ (عیسائیوں) کی اسکیم سے مولانا جامعی دل برداشتہ ہو کر ''مکہ مکرمہ'' ہجرت کر گئے۔ وہاں مدرسہ صولتیہ میں تین سال قیام رہا۔ تبلیغ کے سلسلہ میں انڈونیشیا، برما، تھائی لینڈ، حضر موت اور سیلون کا سفر کیا۔ بعدہٗ ''مدینہ منورہ'' میں مستقل سکونت اختیار کی۔ وہاں مدرسہ ''تحفیظ القرآن'' قائم کیا۔ مولانا محمد الیاسؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا شوکت علیؒ اور مولانا سید محمود احمد مدنیؒ کی معیت حاصل تھی۔ آپ کو اردو، فارسی، عربی پر کافی عبور تھا۔ مولانا ابو سعد خاں کندیاںؒ اور شاہ عبد السلامؒ ڈھاکہ سے بیعت تھے۔ ۲۷ رمضان ۱۴۱۱ھ میں وصال ہوا۔ ''جنت البقیع'' میں ابدی آرام گاہ بنی۔ (محب الحق)

تقریر میں شریک ہوا چند منٹ تقریر سننے کو ملی۔ ان کے متعلق پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ حدیث کے بڑے ماہر ہیں اور بڑی تعداد میں احادیث مبارکہ زبانی یاد ہیں۔ تبلیغی جماعت کا اجتماع مغرب کی نماز کے بعد شروع ہو کر عشاء تک روزانہ ''مسجد نبویؐ'' میں ہوتا ہے اور اس میں کسی نہ کسی ماہر و مشہور عالم دین کی تقریر ہوتی ہے میں اس کے بعد اس اجتماع میں قریب قریب روزانہ شریک ہوتا رہا۔ بعد نماز عشاء مولانا عبدالملک صاحب قیام گاہ پر تشریف لائے میں نے ان کی خدمت میں سفرنامۂ حضرت حاجی رفیع الدین فاروقی مرادآبادیؒ کا ترجمہ پیش کیا۔ بہت خوش ہوئے وہ حج و زیارت سے متعلق ایک ضخیم کتاب مرتب کر رہے ہیں۔ فرماتے تھے کہ اس موضوع کی تقریباً ایک ہزار چھوٹی بڑی کتابوں کے مطالعے سے گزرا ہوں۔ مختلف زبانوں کے بہت سے سفرنامے بھی انھوں نے دیکھے ہیں اور ان کے خلاصے نکالے ہیں اور علیحدہ علیحدہ ایک ایک کاپی پر ہر سفرنامہ کا خلاصہ بطور مسودہ لکھتے جا رہے ہیں چند کاپیاں مجھے بھی دکھائیں بڑا اہم کام انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جلد اس کام کو درجۂ تکمیل تک پہنچا دے۔ سفرنامہ حاجی رفیع الدینؒ کو دیکھ کر انھوں نے انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا اور بعد کو بھی بار بار اس کی اہمیت کا اظہار فرماتے رہے۔

مولانا عبدالملک صاحب نے صبح کے لیے ناشتے پر مولانا احمد عبداللہ کے مکان پر مدعو کیا ہے جہاں چند مشاہیر جمع ہوں گے۔ ایک امریکن مبلغ بھی آئیں گے۔

۲۸ر اپریل (بروز جمعہ) اشراق کے وقت مولانا مرادآبادی رہنمائی کے لیے تشریف لے آئے اور مولانا احمد عبداللہ میمن کے مکان پر لے گئے۔ راستے میں مولانا نے ایک مکان چلتے چلتے دکھایا جس کا نام ''دار الضیافہ'' ہے یہ وہ تاریخی مکان ہے جہاں پر سلطان نور الدین زنگیؒ نے تمام باشندگانِ مدینہ کی ضیافت کی تھی۔ سلطان حسب حکم نبوی صلی اللہ علیہ و سلم ''مصر'' سے چل کر ''مدینہ منورہ'' آیا تھا اور دو ظالم و خبیث باطن عیسائیوں کا پتہ چلانے اور ان کو گرفتار کرنے کے لیے (جن کو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھا دیا تھا اور جو

جسد اطہر کو قبر مطہر سے نکالنے کے لیے سرنگ کھود رہے تھے) پورے شہر کی دعوت کی تھی۔

ناشتے کے بعد خصوصی اجتماع ہوا مولانا عبداللہ درخواستی سے جو خانپور (پاکستان) میں درس حدیث دیتے ہیں اور امریکہ کے ایک مبلغ "داؤد فیصل" سے جنھوں نے بقول مشہور دس ہزار غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کیا ہے۔ نیز ایک انگریز نومسلم سے جن کا نام یوسف ہے ملاقات ہوئی۔

داؤد فیصل صاحب نے تمام شرکائے مجلس کے دستخط اور پتے اپنی نوٹ بک پر حاصل کیے۔ داؤد صاحب شاہی مہمان ہیں۔ انھوں نے مولانا عبدالملک صاحب کے متعلق جماعت سے فرمایا کہ ان کو امریکہ بھیج دیا جائے۔ وہاں ان کی بہت ضرورت ہے۔ اس کا جواب نفی میں پاکر انھوں نے کہا کہ میں "جلالتہ الملک" سے کہوں گا کہ مولانا عبدالملک کی امریکہ میں ضرورت ہے۔ ان کو وہاں بھیجنے کی کوئی صورت کردی جائے۔ تمام گفتگو انھوں نے انگریزی میں کی۔

مولانا نیاز محمد صاحب[1] خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت (مولانا مدنیؒ) سے بھی اس

---

[1] مولانا نیاز محمد صاحب میواتیؒ۔ آپ کی ولادت میوات کے "رانی کا" تحصیل فیروز پور جھرکہ میں ۱۹۱۸ء میں ہوئی۔ سن شعور کو پہنچے تو اسکول میں داخل کردیا گیا۔ اچھے نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے۔ پھر مولانا عبدالسبحان میواتی کے مدرسہ عربیہ سبحانیہ دہلی میں داخلہ لیا۔ یہاں داخلہ کی شرائط میں یہ تھی کہ کم سے کم دو پارہ حفظ کر لینے کے بعد وظیفہ مل سکتا ہے۔ آپ نے دو دن میں دو پارے حفظ کر لیے۔ پھر فیروز پور میں مولانا مشتاق احمد صاحبؒ سے صرف چار ماہ میں پورا قرآن کریم حفظ کیا۔ دوسرے سال مرکز علوم دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر ابتداء سے تمام علوم کی تحصیل وتکمیل کر کے ۱۳۶۰ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ فارغ ہوتے ہی مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے مدرسہ کاشف العلوم مرکز تبلیغ میں مدرس ہو گئے۔ ۱۹۴۷ء میں مدرسہ معین الاسلام قصبہ نوح کی مسند صدارت کو رونق بخشی۔ بعدہ ۱۹۶۵ء میں مدرسہ اسلامیہ درگاہ شیخ موسےٰ پلہ کی نشاۃ ثانیہ کر کے جلالین اور مشکوٰۃ تک کی تعلیم جاری کی۔ اب قاسم العلوم کے نام سے معروف ہے اور صحاح ستہ تک تعلیم ہوتی ہے۔ سب سے پہلے مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے بیعت ہوئے۔ ان کے وصال کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے تجدید بیعت کی۔ منازل سلوک طے کر کے مجاز بیعت قرار پائے۔ آپ کا حلقہ میوات، دہلی وغیرہ میں کافی وسیع تھا۔ اللہ نے قوت حافظہ عطا فرمائی تھی۔ درس وتدریس اور رشد وہدایت کے ساتھ تصنیف وتالیف کا بھی عمدہ ذوق تھا۔۔۔۔ مسلسل

مجلس میں ملاقات ہوئی۔ میمن صاحب سے تفصیلی گفتگو ہوئی انھوں نے مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوریؒ[1] سے پڑھا ہے اور وہ حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی امروہیؒ[2] سے ملنے کے لیے ان کی وفات سے چند ماہ پیشتر امروہہ بھی

مسلسل..... "الدر المنضد فی شرح الادب المفرد، عمدۃ اللبیب فی شرح شیم الحبیب، النجاۃ الکاملۃ" مشہور ومعروف ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند سے بھی تعلق تھا۔ جمعیۃ علماء گڑگاؤں اور جمعیۃ علماء صوبہ ہریانہ پنجاب کے صدر رہے اور ان دونوں صوبوں کے امیر شریعت کے عظیم عہدے پر فائز رہے۔ ۲۵ر محرم ۱۴۱۴ھ ۱۶ر جون ۱۹۹۳ء میں وصال ہوا۔

[1] مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ چاند پور ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ جملہ علوم کی تکمیل مرکز علوم دارالعلوم دیوبند میں کر کے ۱۳۰۴ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صدیقی نانوتویؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ بہت ہی ذکی، ذہین اور زیرک تھے۔ آپ کے وعظ وتقریر کی بڑی شہرت تھی۔ مناظرہ میں مہارت تھی۔ مطالعۂ کتب کے علاوہ نادر کتابیں اور مخطوطات جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ آپ نے ایک بڑا کتب خانہ چھوڑا جس میں تقریباً آٹھ ہزار مخطوطات اور مطبوعات تھیں، اس کو آپ کے صاحبزادے نے دارالعلوم دیوبند منتقل کر دیا ہے۔ آپ عرصۂ دراز تک مدرسہ امدادیہ دربھنگہ اور مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں صدر مدرس کے عہدے پر فائز رہے۔ اکابر دارالعلوم نے آپ کو دارالعلوم کا ناظم تعلیمات بنایا۔ اسفار کی کثرت کی وجہ سے شعبہ تبلیغ کی ذمہ داری بھی سپرد ہوئی۔ تبلیغ کے ساتھ درس کا بھی سلسلہ رہا۔ مولانا رفیع الدین عثمانیؒ سے بیعت ہوئے۔ ان کے وصال کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے رجوع کیا۔ حضرت تھانویؒ نے اجازت بیعت مرحمت کی۔ ربیع الاخر ۱۳۷۱ھ موافق دسمبر ۱۹۵۱ء میں چاند پور میں وصال ہوا۔ [2] مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی سندیلوی ثم امروہیؒ۔ آپ کا آبائی وطن سندیلہ ضلع ہردوئی تھا۔ آپ کے والد مولانا عنایت اللہ نے بمبئی کو اپنا مستقر بنایا۔ وہاں ریاست بھوپال کی جانب سے محافظ حجاج تھے۔ وہیں ۱۲۷۷ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ۹ سال کی عمر میں اپنی بہن کے ساتھ "مکہ معظمہ" چلے گئے۔ وہاں اپنے ہم نام حافظ صاحب سے قرآن کریم حفظ کیا جو کہ معلم عبیدالرحمٰن کے دادا تھے۔ پہلی محراب "مسجد الحرام" کے صحن میں سنائی۔ ۱۲۹۰ھ میں بمبئی واپس ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۲۹۲ھ سے ۱۲۹۷ھ تک دارالعلوم دیوبند میں بغرض تعلیم مقیم رہے اور حضرت نانوتویؒ سے مسجد چھتہ میں ترمذی شریف پڑھی۔ حضرت نانوتویؒ کی وفات کے بعد مدرسہ شاہی مرادآباد میں حضرت محدث امروہیؒ سے صحاح ستہ کی تکمیل کر کے سند فراغت ۱۳۰۱ھ میں حاصل کی۔ آپ کے مفصل حالات مقالات فریدی جلد اول میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ بعدہٗ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بھی دورۂ حدیث پڑھا۔ قاضی محمد ایوبؒ اور حسین ابن محسن یمنی خزرجیؒ سے سند حدیث حاصل کی۔ حضرت محدث امروہیؒ کی وفات کے بعد جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کی مسند حدیث پر رونق افروز ہوئے۔ امروہہ سے پہلے مدرسہ شاہی میں بھی صدر مدرس رہے... مسلسل

آئے ہیں۔ میمن صاحب بارہ تیرہ سال سے "مدینہ منورہ" میں مقیم ہیں اور یہیں ایک مختصر سی دوکان پر تجارت کا سلسلہ ہے۔ بہت سا وقت تبلیغی جدو جہد میں صرف فرماتے ہیں۔ "مدینہ منورہ" کی جماعت تبلیغ کے امیر ہیں۔ یہ پُر لطف مجلس بہت دیر تک رہی۔ مولانا احمد عبداللہ کے مکان سے آرہے تھے راستے میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری[1] سے ملاقات ہوئی۔ ان کو بھی اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ حضرت سید آدم بنوریؒ کی اولاد میں ہیں۔ چہرے سے علم و فراست کے آثار نمایاں ہیں تھوڑی سی دیر کی ان کی گفتگو سے ان کی خوش اخلاقی اور علمی ذوق کا اندازہ ہوا۔ بعد کو "مکہ معظمہ" میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ کی ہمراہی میں ان کی قیام گاہ پر جا کر ملاقات کی تھی۔ بعد نماز جمعہ شیخ الاسلام حضرت مدنی[2] کے

مسلسل.....ریاست منڈھو، مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات، دارالعلوم دیوبند میں بھی درس دیا۔ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ تفسیر بیضاوی، مطول پر حواشی ہیں۔ ۲۳ر جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ میں وصال ہوا۔ حضرت محدث امروہیؒ کے پہلو میں مدفون ہیں۔ [1] مولانا محمد یوسف بنوریؒ۔ پشاور کے ایک گاؤں میں ۶ر ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ موافق ۱۹۰۸ء میں ولادت ہوئی۔ سلسلہ نسب حضرت سید آدم بنوریؒ کے واسطے سے حضرت حسینؓ سے ملتا ہے۔ قرآن کریم اپنے والد ماجد اور ماموں سے پڑھا۔ صرف ونحو، فقہ منطق، معانی اور فنون وغیرہ کی کتابیں پشاور اور کابل کے اساتذہ سے پڑھیں۔ حدیث، اصول حدیث ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۴۷ھ تک دارالعلوم دیوبند میں پڑھ کر صحاح ستہ کی تکمیل مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل میں کی۔ مولانا سید محمد انور شاہ محدث کشمیریؒ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے بھی خصوصی استفادہ کیا۔ محدث کشمیریؒ کی وفات کے بعد جامعہ ڈابھیل کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ ۱۳۵۶ھ میں مجلس علمی ڈابھیل کی جانب سے مصر، یونان، ترکی اور حجاز کا سفر کیا۔ ۱۹۵۱ء میں پاکستان منتقل ہوگئے اور دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں شیخ التفسیر و شیخ الحدیث کے عہدے پر چند سال رہے۔ بعدہٗ کراچی چلے گئے۔ وہاں نیوٹاؤن میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ قائم کیا۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مجاز صحبت تھے۔ حضرت تھانوی کے وصال کے بعد حضرت مولانا شفیع الدین نگینوی مہاجر مکیؒ سے رجوع کیا۔ عندالبیعت اجازت بھی مل گئی۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ کا محبوب مشغلہ تصنیف و تالیف تھا "معارف السنن شرح ترمذی" "بغیۃ الاریب فی احکام القبلہ والمحاریب، نفحۃ العنبر فی ہدی الشیخ الانور" قابل ذکر ہیں۔ یہ سب کتابیں عربی میں ہیں۔ ۵ر ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ میں وصال ہوا۔ [2] شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ عظیم محدث، مجاہد، بلند مرتبت شیخ طریقت اور عالم باعمل تھے۔ شیخ الہندؒ کے خصوصی شاگرد، امام ربانی حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ، دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور جمعیۃ علماء ہند کے صدر تھے۔ آپ کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ ۱۰ر شوال ۱۲۹۶ھ میں بانگرمؤ میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے لئے مرکز علوم دارالعلوم دیوبند میں جملہ...... مسلسل

برادرِ حقیقی عالی جناب سید محمود صاحب[1] مدظلہ سے ملاقات کے لیے "مدرسہ شرعیہ" پہنچے۔ مولانا مغیث الدین صاحب اور حکیم انظار احمد صاحب[2] مراد آبادی ہمراہ تھے۔ بعد نماز جمعہ سید صاحب "مدرسہ شرعیہ" کے نیچے کے حصے میں تھوڑی دیر بیٹھتے ہیں اور ملاقات کرنے والے وہاں آ کر ملاقات کرتے ہیں۔ بڑا مجمع ہو جاتا ہے۔ ہمیں "مدرسہ شرعیہ" پہنچنے میں تاخیر ہوئی۔ جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ سید صاحب مکان تشریف لے گئے۔ ان کے صاحبزادے سید حبیب صاحب[3] سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ روزانہ بعد نماز مغرب

مسلسل..... علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ تقریباً ۱۴ رسال حرم نبوی "مدینہ منورہ" میں درس دیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کے ہمراہ اسیر مالٹا ہوئے۔ رہائی کے بعد امروہہ، کلکتہ، سلہٹ کی مسند صدارت پر جلوہ افروز رہے۔ ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم دیوبند کی منصب صدارت اور مسند شیخ الحدیث پر تاحیات قائم رہے۔ ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ موافق ۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء میں رحلت ہوئی۔ اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کے پہلو میں مزار قاسمی دیوبند میں محو آرام ہیں۔ ۱ مولانا سید محمود احمد مدنیؒ۔ کی ولادت ۱۳۰۸ھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی۔ بعدہٗ مدینہ منورہ کے قیام میں وہاں کے اسکول و کالج میں عربی، ترکی، ریاضیات اور دوسرے علوم کی تکمیل کی۔ آپ بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ مدینہ منورہ کی مجلس اوقاف کے صدر اور وہاں کی بااثر شخصیات میں سے تھے۔ گورنر مدینہ کی کیبنٹ کے ممبر اور مختلف سرکاری کمیٹیوں کے رکن اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) رہے۔ حرکات و سکنات شکل و شمائل، گفتگو، لب ولہجہ، عادت و خصائل، کھانے پینے حتیٰ کہ زبان اور الفاظ میں اپنے بڑے بھائی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے مشابہ تھے۔ مدینہ منورہ ہی میں ۱۳۹۲ھ میں وصال ہوا۔ "جنت البقیع" ابدی آرام گاہ بنی۔ ۲ـ مولانا حکیم انظار احمد صاحب مراد آباد۔ آپ محلہ فیل خانہ، مراد آباد کے رہنے والے۔ اکابر کے شیدائی تھے۔ رمضان ۱۳۵۱ھ میں مدرسہ شاہی مراد آباد کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔ مولانا عبدالحق مدنیؒ کو مہتمم بنانے میں حصہ لیا مولانا سید محمد میاںؒ سے خصوصی تعلق تھا مولانا موصوف نے جب ماہنامہ رسالہ "قائد" مراد آباد سے جاری کیا تو اس کے مدیر اور منتظم حکیم صاحب ہی تھے مولانا مفتی محمد نقیؒ مہتمم مدرسہ کی وفات کے بعد آپ کو مدرسہ کا قائم مقام مہتمم بنایا گیا حکیم صاحب نے پوری ذمہ داری کے ساتھ خدمت مدرسہ انجام دی اور اسی منصب پر رہتے ہوئے ۲۲ر محرم ۱۳۸۷ھ میں وصال ہوا۔ ۳ سید حبیب محمود احمد مدنیؒ۔ آپ کی ولادت ۱۳۳۸ھ میں "مدینہ منورہ" میں ہوئی۔ آپ رعب و دبدبہ کے آدمی تھے۔ تدبر و فراست اور حسن انتظام میں بے نظیر تھے۔ "مدینہ منورہ" کی مجلس اوقاف کے نگراں رہے۔ حرم نبویؐ کے انتظامی امور میں دخیل تھے۔ مدرسہ علوم شرعیہ کو ترقی دی۔ اپنے مکان میں ایک عظیم لائبریری قائم کی۔ جس میں مختلف علوم و فنون کی کتابیں اور نوادرات و مخطوطات ہیں۔ آپ کا وصال ۷ر رمضان ۱۴۲۳ھ میں ہوا۔ "جنت البقیع" میں مدفون ہوئے۔ (محب الحق)

مکان پر سید صاحب سے ملاقات کا موقع مل جاتا ہے مگر میں رات کی معذوری کی وجہ سے وہاں نہ جاسکا۔ اگلے جمعہ کو ان سے ملاقات ہوسکی۔ ''مدرسہ شرعیہ'' سے مولانا مغیث الدین صاحب کے ہمراہ ان کے مکان پر پہنچا۔ وہاں انھوں نے خاص قسم کی چائے پلائی، چنے کا حلوا بنا کر کھلایا، ٹھنڈا پانی پلایا اور دور تک پہنچانے کے لیے آئے۔ جب وہ اپنے ہمراہ مکان پر لے جا رہے تھے تو انھوں نے ایک مقام کو دکھا کر فرمایا کہ یہ جگہ ''مناخہ'' کہلاتی ہے اور ایک مسجد کو دور سے دکھلا کر بتایا کہ یہ مسجد ''غمامہ'' ہے۔

۲۹ر اپریل (شنبہ) آج کتب خانہ شیخ الاسلام (ترکی) جا کر دیکھا۔ یہ کتب خانہ ''مسجد نبویؐ'' سے متصل ہے۔ حضرت حسن بن علیؓ کا مکان اسی جگہ تھا۔ اس کے قریب ہی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا مکان ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''قبا'' سے تشریف لا کر سب سے پہلے قیام فرمایا تھا۔ کتب خانے کے نائب ناظم عبدالوہاب صاحب سے فہرستیں طلب کیں۔ ایک عام فہرست اور ایک مخطوطات کی لا کر دی۔ اول الذکر کو از اول تا آخر دیکھ لیا، دوسری دیکھ ہی رہا تھا کہ اذان ظہر ہوگئی۔ نماز کے لیے ''مسجد نبویؐ'' چلا گیا۔ معلوم ہوا تھا کہ ظہر کے بعد کتب خانہ نہیں کھلتا۔

شب یک شنبہ کو مولانا حکیم محمد احسن صاحب نے ایک مدنی مقرر کی تقریر مصریوں کے مجمع میں لے جا کر سنوائی۔ یہ مقرر روزانہ بعد مغرب ''مسجد نبویؐ'' میں تقریر کرتے ہیں۔ حکیم صاحب قریب قریب روزانہ ہی ان کی تقریر سنتے رہے۔ واقعی ان کی تقریر شنیدنی تھی۔ فصاحت و بلاغت سے لبریز، ایسی رواں جیسے دریا موجیں مار رہا ہو، پر اثر اور پر از معلومات۔ موقع موقع سے آیاتِ قرآن اور احادیث نبویہ کی شمولیت سے تقریر کی تاثیر میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ یہ مقرر ''مدینہ منورہ'' کے کسی مدرسہ میں مدرس تھے عمر بھی کچھ زیادہ نہ تھی۔

۳۰ر اپریل (یک شنبہ) حضرت مولانا بدر عالم محدث میرٹھی (مہاجر مدینہ) کے یہاں احقر مولانا حکیم محمد احسن صاحب اور مولانا منظور احمد صاحب مظاہری حاضر

ہوئے۔ انھوں نے ''رفع نزول مسیح علیہ السلام'' پر لیٹے لیٹے تقریر فرمائی۔ بڑی جامع اور مدلل تقریر تھی۔ دورانِ تقریر میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ مولانا نے سلسلہ تقریر ختم کر کے کل کا وقت دیا اور اس تقریر کو یاداشت کے مطابق لکھ کر لانے کو فرمایا۔ مولانا میرٹھی مدظلہ کے یہاں ہی سب سے پہلے حضرت مولانا خیر محمد[1] جالندھری کو دیکھا۔

یکم مئی (دوشنبہ) بعد اشراق میاں جی عیسیٰ میواتی کی قیام گاہ پر ناشتے کے لیے مدعو تھا۔ حضرت مولانا نیاز محمد بھی شریک ناشتہ تھے۔ مولانا ابوالسعود[2] مدراسی کے بھائی مولانا محمد ابراہیم مدراسی بھی وہاں موجود تھے۔ واپسی میں مولانا مفتی زین العابدین لائل پوری سے ملاقات ہوئی۔ وہ آج یا کل ''مدینہ منورہ'' وارد ہوئے ہیں۔ آج بھی حسب الحکم حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی کے یہاں وقت کی پابندی کا (مولانا کی تاکید کے مطابق) خاص لحاظ رکھتے ہوئے حاضری ہوئی۔ مولانا عبدالقیوم مظاہری نے کل کی تقریر کو لکھ لیا تھا۔ مولانا میرٹھی نے اس کو پڑھوا کر سنا اور کچھ ترمیم و اضافہ فرمایا۔ بعدہٗ اپنا مطبوعہ مضمون جو نزول

---

[1] مولانا خیر محمد جالندھریؒ۔ آپ جالندھر صوبہ پنجاب کے رہنے والے تھے۔ ۱۳۱۳ھ موافق ۱۸۹۵ء میں ولادت ہوئی۔ اپنے وطن اور مدرسہ ''منبع العلوم'' گلاوٹھی ضلع بلند شہر میں تعلیم حاصل کی۔ بعدہٗ مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں حضرت مولانا محمد لیٰسینؒ اور دیگر اساتذہ سے دورہ حدیث کی تکمیل کی اور مرکز علوم دارالعلوم دیوبند سے بھی وابستہ رہے۔ اپنی جدوجہد سے ۱۳۳۹ھ موافق ۱۹۲۵ء میں جالندھر میں ''خیر المدارس'' کی بنیاد رکھی۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفۂ مجاز تھے۔ علم و فضل ورع و تقویٰ میں بے مثال تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رُکن رہے۔ تقسیم کے بعد ملتان منتقل ہو گئے اور وہاں بھی ''خیر المدارس'' کو زندہ رکھا جو پاکستان کی بڑی درسگاہوں میں سے ایک ہے۔ مولانا کا عظیم کارنامہ مدارس دینیہ کا وفاق بنام ''وفاق المدارس'' کا قیام ہے۔ آپ ہی اس کے صدر منتخب ہوئے۔ ۲۰ رشعبان ۱۳۹۰ھ میں ملتان میں وفات ہوئی۔

[2] مولانا ابوالسعد احمد باقوی مدراسی ثم بنگلوریؒ۔ آپ بنگلور کرناٹک کی مشہور اسلامی درسگاہ ''دارالعلوم سبیل الرشاد'' کے بانی تھے۔ زبردست عالم دین اور متقی، پرہیزگار تھے۔ تحریر و تقریر دونوں میں ملکہ حاصل تھا۔ اپنی علمی، دینی اور ملی خدمات کی وجہ سے جنوبی ہند میں پیشوائے دین و ملت کا درجہ رکھتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس شوریٰ کے رُکن رہے۔ ۶ رشوال ۱۴۱۶ھ میں بنگلور میں وصال ہوا۔ (محب الحق)

مسیح علیہ السلام سے متعلق ہے عنایت فرمایا اور مطالعہ کی تاکید فرمائی۔ مولانا حکیم محمد احسن صاحب آج بھی ہمراہ تھے حضرت مولانا میرٹھی کو یہ معلوم ہو کر کہ حکیم صاحب حضرت مولانا نعمانی مدظلہ کے بھائی ہیں بہت خوشی ہوئی۔

۲۰ رمئی (سہ شنبہ) آج بھی میاں جی عیسٰی نے مجھے ناشتہ کی دعوت دی ہے۔ انھوں نے علماء ہندوستان و پاکستان کا اجتماع اپنی قیام گاہ پر رکھا ہے۔ بعد نماز اشراق وہاں حاضر ہوا مولانا خیر محمد صاحب جالندھری، مولانا محمد علی صاحب جالندھری، مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، مولانا زین العابدین صاحب[1] لائل پوری وہاں تشریف لائے۔ مولانا نیاز محمد صاحب، قاری سلیمان صاحب، مولانا محمد ابراہیم صاحب مدراسی اور مولانا عبدالملک مرادآبادی وغیرہم اس میں شریک ہوئے۔ حاجی غلام رسول صاحب مالیگاؤی بھی موجود تھے۔ انھوں نے یہ خوشخبری سنائی کہ حضرت مولانا اعظمی "مدینہ منورہ" آ گئے ہیں۔ چنانچہ بعد نماز ظہر حضرت مولانا اعظمی سے "مسجد نبوی" میں ملاقات ہوئی۔ آج پھر کتب خانہ شیخ الاسلام دیکھنے گیا۔ تین کتابیں نکلوائیں جن میں ایک درالحبب (تاریخ حلب) کا قلمی نسخہ تھا

---

[1] مولانا مفتی زین العابدین لائل پوریؒ۔ آپ کی ولادت میانوالی پاکستان میں ہوئی۔ اپنے وطن میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بقیہ علوم کی تحصیل وتکمیل دارالعلوم دیوبند اور جامعہ ڈابھیل میں کی۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے خصوصی فیض حاصل کیا۔ دین کی ترقی کے لیے میانوالی سے لائل پور (فیصل آباد) منتقل ہو گئے اور وہاں دارالعلوم فیصل آباد قائم کیا جو ایک معیاری ادارہ ہے۔ اس کے علاوہ "القاسم" کے نام سے ایک اسکول بھی قائم کیا جس میں دینی وعصری دونوں تعلیم دی جاتی ہیں۔ مفتی صاحبؒ نے صرف تبلیغی مرکز اور تعلیمی ادارہ قائم کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ارباب حکومت اور علماء کی توجہ دین وملت کے تقاضوں کی مبذول کراتے رہتے تھے۔ آپ کی اسی فکر نے جنرل ضیاء الحق کو مفتی صاحب سے عقیدت مندانہ تعلق ہو گیا تھا۔ اسی تعلق کی بنا پر جنرل صاحب ایک دفعہ رائے ونڈ کے تبلیغی اجتماع میں شریک ہوئے۔ مفتی صاحبؒ پاکستان کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ سلوک کی منزلیں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ سے طے کیں اور شیخ نے اجازت بیعت دی۔ رئیس التبلیغ مولانا محمد یوسف صاحب کے رفقاء میں سے تھے۔ مولانا یوسف صاحبؒ حجاز اور پاکستان کے اسفار میں ہمراہ ہوتے۔ تبلیغی کام کے لیے چند سال حجاز میں بھی گزارے۔ آپ کا وصال ۲۴ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ موافق ۱۵ مئی ۲۰۰۴ء میں ہوا اور فیصل آباد میں مدفون ہوئے۔ (محب الحق)

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ دار العلوم دیو بند میں بھی ہے۔ دار العلوم کا نسخہ اس نسخے سے بہت زیادہ صحیح ہے۔

آج مولانا احمد عبداللہ میمن نے فرمایا کہ شاہ محمد صادق صاحب مجددی نے (جو ملا شور بازار کے لقب سے مشہور ہیں) یاد فرمایا ہے۔ یہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد سے ہیں۔ افغانستان کی طرف سے مصر کے سفیر رہ چکے ہیں۔ غالباً ان سے مولانا عبدالملک صاحب نے میرا تذکرہ کیا ہوگا۔ مولانا احمد عبداللہ کے ہمراہ ان سے ملنے گیا۔ امان اللہ خاں کے زوال حکومت اور انقلاب افغانستان کے زمانے میں "ملا شور بازار" کا نام اخباروں میں خصوصاً "زمیندار" میں برابر دیکھا رہتا تھا۔ "زمیندار" ان کا مخالف تھا اس کے مطالعہ سے ان کی جو تصویر ذہن میں قائم ہوگئی تھی وہ اب تک موجود تھی۔ انھوں نے دوسری ملاقات میں خود ہی فرمایا کہ ہمارا خاندان "حضرات شور بازار" کے نام سے افغانستان میں مشہور ہے۔ اخبار والوں نے ہم کو "ملا شور بازار" کر دیا۔ سلطان امان اللہ خاں سے اپنے اور اپنے بھائی نور المشائخ مرحوم کے اختلاف کی وجہ بھی بتائی جو بظاہر دینی و مذہبی تھی۔ اپنا شجرہ حضرت مجدد الف ثانیؒ تک لکھوایا۔ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا ذکر بھی آیا جو الفرقان میں شائع[1] ہو رہے ہیں۔ مکتوبات مجدد الف ثانیؒ کا عربی میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے اس کا ذکر بھی فرمایا۔ کچھ دیر کے بعد ان سے رخصت ہوئے۔ دوبارہ ملاقات کے لیے فرمایا۔

۵ رمئی (جمعہ) ہندوستان سے مصر گئی ہوئی تبلیغی جماعت "مدینہ منورہ" آگئی ہے۔ ڈاکٹر سعید صاحب مصری اس کے ہمراہ ہیں۔ اب تک بعض مصری واعظ انفرادی حیثیت سے تقریر کرتے تھے۔ اب ڈاکٹر سعید کی آمد سے مصریوں کی محفل کا رنگ ہی کچھ اور ہو گیا ہے۔ بڑے جوشیلے، بڑے جذبے والے ہیں۔ اتباع سنت کا ذوق اندرون ان کے

---

[1] حضرت مولانا فریدیؒ صاحب سفرنامہ نے "مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ" کے تینوں دفتروں کا تلخیص و ترجمہ کیا ہے جو "الفرقان" میں ۴۶ راقساط میں شائع ہوا۔ بعدہٗ "تجلیات ربانی" کے نام سے کتابی صورت میں بھی آچکا ہے۔ (محب الحق)

چہرے سے نمایاں ہے۔ مولانا ضیاء الدین صاحب بجنوری، حاجی عزیز الرحمٰن دہلوی، حاجی سعید صاحب مراد آبادی اور دیگر اشخاص کی ایک جماعت مصر گئی تھی۔ ڈاکٹر سعید صاحب کا حج وزیارت کے لیے آنا اور تبلیغی جدوجہد کرنا اسی جماعت کی کوشش کا نتیجہ ہے۔

۷/مئی (اتوار) مولانا عبدالملک مرادآبادی کے ہمراہ شیخ محمد صادق مجددی سے ملنے دوبارہ گیا۔ انھوں نے ''دیوانِ عبدالباقی مجددیؒ'' اور ایک کتاب شاہ غلام محمد صدیق مجددیؒ کی مرتب کی ہوئی (جس میں ان کے مورث اعلیٰ شاہ عبدالباقیؒ کے ملفوظات بھی تھے اور چند قلمی رسائل حضرت مجدد الف ثانیؒ کے جو غالباً شائع ہو چکے ہیں) دکھائے۔ ان کے بھائی نور المشائخ مجددی مرحوم کا کتب خانہ پشاور میں ہے۔ اس میں کثیر تعداد میں اس سلسلے کی کتابیں موجود ہیں۔ جیسا کہ انھوں نے دورانِ گفتگو میں فرمایا۔ میں نے ترجمہ مکتوباتِ خواجہ محمد معصوم[1] کا ایک نسخہ ان کی خدمت میں پیش کرنے کا وعدہ کیا (جو ہندوستان آکر مولانا عبدالملک مرادآبادی کی معرفت بھیجا گیا)

شیخ محمد صادق مجددی کے مکان کے قریب ہی ''بیر بضاعہ'' ہے جس کا ذکر ابوداؤد شریف میں مفصل ہے۔ مولانا عبدالملک کی رہنمائی میں اس متبرک تاریخی کنوئیں کو بھی دیکھا یہ اب ایک عالیشان کوٹھی کے احاطے میں آگیا ہے۔ مالک مکان سے اجازت لے کر اندر جانا ہوا۔ بغیر رہنما کے یہاں تک پہنچنا سخت مشکل تھا۔ ''بیر بضاعہ'' کے حوض سے ایک چلو پانی لے کر پیا، طبیعت کو بڑی فرحت حاصل ہوئی۔ اب اس کنوئیں سے مشین کے ذریعے پانی کھینچا جاتا ہے پانی نہایت صاف اور شیریں ہے۔

کتب خانہ شیخ الاسلام کی چند کتابیں: اس عظیم الشان کتب خانے میں بڑا نایاب ونادر ذخیرۂ کتب ہے۔ قلمی کتابیں خوشخط اور اچھی حالت میں ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ

---

[1] مولانا فریدی صاحب سفرنامہ نے ''مکتوباتِ خواجہ محمد معصوم'' کا بھی تلخیص وترجمہ کیا جو ۲۲/اقساط میں ''الفرقان'' میں شائع ہوا اور ''مکتوبات معصومیہ'' کے نام سے کتابی صورت میں اب موجود ہے۔ (محب الحق)

کے زمانہ کا قرآن مجید بھی یہاں رکھا ہوا ہے۔ علاوہ عربی و فارسی کے ترکی زبان کا لٹریچر بھی بہت ہے۔ بہت سے دواوین ترکی شعراء کے بھی یہاں موجود ہیں۔ بہت سی تاریخ وتصوف کی کتابیں ترکی زبان میں ہیں جن میں سے کچھ کتابیں فارسی وعربی کے تراجم ہیں۔ دو تین مرتبہ جا کر میں علاوہ ''درّ المجیب'' کے ان چند کتابوں کو نکلوا کر دیکھ سکا۔

۱۔ تراجم علماء المشائخ الاحراریہ المجددیہ، لمیرزا مقصود الدبیدی بخط المولف، نمبر ۱۹۳، تاریخ

۲۔ تراجم المشائخ المذکورین فی سلسلۃ المجددیہ، لخلیل صاحب السرہندی، مکتوبہ ۱۲۴۹ھ، نمبر ۱۹۴، تاریخ

۳۔ لالہ ستان فی تراجم المشائخ للعلامہ بہاری، نمبر ۱۵۴۱، تاریخ ۴۔ معجم المشائخ للعلامہ زبیدی (علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی ثم زبیدیؒ م ۱۲۰۵ھ) نمبر ۵۸۵، تاریخ

معجم المشائخ کا ایک اقتباس: علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی ثم زبیدیؒ نے مولانا خیر الدین محدث سورتیؒ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''خیر الدین بن محمد زاهد الهاشمی الحنفی النقشبندی السورتی شیخنا الامام الفقیه المحدث البارع الصوفی المحقق و لدبمدینة سورت احد ثغور الهند و قرء هناك علیٰ فضلاء عصره و ورد علیٰ الحرمین فسمع الحدیث علی الشیخ محمد حیات السندهی و اکثر ملازمته فیه و فی بقیة العلوم و حضر دروس الشیخ محمد قائم السندهی و آخرین و عادالیٰ بلده و تلقن الذکر من القطب الکامل السید شاه نور الله الحسینی النقشبندی و تسلك علیٰ یدیه و حصل النسبة و لماتوفی جعل المترجم خلیفته من بعده لقیته فی ۱۱۶۱ھ فسمعت

علیہ الصحیح اکثرہ بقراتی و حضرتُ دروسہ الفقیۃ والاصولیۃ و تلقنتُ منہ الذکر و اجازنی۔ "

ترجمہ: (مولانا) خیرالدین بن محمد زاہد الہاشمی الحنفی النقشبندی السورتی میرے شیخ ہیں۔ فقیہ ومحدث اور صوفی ومحقق ہیں۔ سورت میں پیدا ہوئے وہاں کے فضلاء سے پڑھ کر بغرض تحصیل علم حرمین شریفین گئے وہاں شیخ محمد حیات سندھیؒ سے حدیث سماعت کی۔ حدیث نیز اور دیگر علوم حاصل کرنے کے لیے ان کے یہاں طویل مدت تک رہے۔ شیخ محمد قائم سندھی اور دیگر علماء کے حلقۂ ہائے درس میں بھی حاضر ہوئے پھر اپنے وطن (سورت) لوٹ آئے۔ یہاں ذکر کی تعلیم قطب کامل سید شاہ نوراللہ الحسینی النقشبندیؒ سے حاصل کی اور ان سے سلوک طے کر کے صاحب نسبت ہوئے جب سید نوراللہ کا وصال ہوا تو مولانا خیرالدینؒ ان کے خلیفہ ہوئے۔ میں نے ان سے سورت میں ۱۱۶۱ھ میں ملاقات کی اور حدیث پڑھی۔ ان کے فقہ واصولِ فقہ کے دروس میں بھی حاضر ہوا۔ ان سے ذکر بھی سیکھا انھوں نے مجھے اس کی اجازت دی۔

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ کتاب نمبر ۱۹۳ و ۱۹۴ سے جو اقتباسات میں نے لیے ہیں ان کا ترجمہ بطور تلخیص پیش کروں ان اقتباسات سے اولادِ مجدد الف ثانیؒ اور سلسلہ مجددیہ کے بعض اکابر سے متعلق مجھے کچھ وہ معلومات حاصل ہوئیں جو کسی دوسری جگہ نظر سے نہیں گزریں۔ یہ دونوں کتابیں بھی ہندوستان میں غالباً کسی کتب خانہ میں نہیں ہیں۔ ٹرکی سے یہ دونوں کتابیں "مدینہ منورہ" آئی ہیں۔

حضرت شاہ محمد رساؒ: شاہ محمد رسا ابن خواجہ محمد پارسا ابن مروّج الشریعۃ خواجہ محمد عبداللہ ابن خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ۔ انھوں نے کسب کمالاتِ باطن اپنے نانا شاہ فضل احمد سے کیا۔ "سرہند شریف" کی تباہی و بربادی کے بعد شہر "بریلی" میں ساکن ہوئے۔ فقر و فاقہ میں زندگی گزاری کسی امیر و وزیر کے دروازے پر نہیں گئے حالانکہ بہت سے پٹھان

امراء آپ کے معتقد تھے۔ حضرت شاہ عزت اللہؒ ان کی صحبت میں پہنچے تھے اور ان کی خدمت کرتے تھے۔ انھوں نے بریلی میں تخمیناً ۱۱۸۰ھ میں انتقال کیا۔

حضرت شاہ عزت اللہؒ: حضرت شاہ معصوم ثانیؒ کے فرزند ہیں۔ ان کی ولادت ۱۱۴۳ھ یا ۱۱۴۴ھ میں ہوئی۔ ابتداً کسب سلوک اپنے والد سے کیا بعد ان کی وفات کے اپنے بڑے بھائی حضرت شاہ غلام محمد سے سلوک تمام کیا اور اجازت وخلافت پائی۔ سلاطین وامراء آپ کے آستانے پر آتے تھے جو ہدیہ ونذرانہ آتا تھا سب کو فقراء ومساکین پر صرف کردیتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ گھر میں چراغ جلانے کو تیل بھی نہ ہوتا تھا۔ بہت مقروض تھے۔ "سرہند" کی بربادی کے بعد عیال واطفال اور اقرباء کے ساتھ پورب کی طرف عزیمت کی۔ مدتوں شہر "بریلی" میں ساکن رہے۔ حافظ رحمت خاں ان کی بہت قدر کرتے تھے۔ اولادِ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے جو حضرات بریلی میں رہتے تھے ان سب کا وظیفہ مقرر کردیا تھا۔ جب افغانوں اور شجاع الدولہ والیٔ لکھنؤ کے درمیان جنگ ہوئی تو شجاع الدولہ انگریزوں کی حمایت سے تمام علاقۂ پورب پر قابض ہوگیا اور حافظ رحمت خاں شہید ہوئے۔ اس کے بعد اس علاقے میں "رفض" پھیلا تو شاہ صاحبؒ بجانب "کاشغر" دیارِ کند چلے گئے وہاں سے پھر ہندوستان آئے اور اہل وعیال کو لے کر "کابل" آگئے اور وہیں رہنے لگے۔ تیمور شاہ ابن احمد شاہ ابدالی اس وقت بادشاہِ کابل تھا۔ اس نے شاہ صاحب کا آنا غنیمت شمار کیا ان کا معتقد ہوا۔ تمام ارکان وخواص وعلماء ان کے معتقد ہوئے۔ کچھ دنوں بعد بعض مفسدوں کی وجہ سے بادشاہ اور ان کے درمیان رنجش ہوگئی اور آپ نے بجانب "ترکستان" رُخ کیا۔ "موضع امام" میں جو کہ قریب "قندوز" ہے اقامت اختیار کی۔ وہاں بھی معتقدوں کا ہجوم ہوا۔ بعد کو تیمور شاہ نادم ہوا رسل ورسائل اور نذر وہدایا بھیج کر پھر کابل بلایا۔

آپ علماء وطلبا کی بہت تعظیم فرماتے تھے۔ کبھی گھوڑے پر سوار جاتے ہوتے اور کسی طالب علم کے ہاتھ میں کتاب دیکھ لیتے تو فی الفور نیچے اتر آتے تھے۔ تقریباً ساٹھ

سال کی عمر ہوئی ۱۲۰۷ء میں تیمور شاہ سے چھ ماہ پہلے وفات پائی۔ بیرون شہر کابل طرف دروازۂ لاہوری دفن ہوئے۔

شاہ عزت اللہؒ کے سات فرزند تھے اور ایک صاحبزادی تھیں۔ منجملہ ان کے ایک حافظ محمد عباس تھے جو کہ عالم و فاضل تھے اور سند حدیث حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے حاصل کی تھی۔ اپنے والد کی وفات کے بعد ''دہلی'' میں ساکن ہو گئے۔ وہاں کے مشائخ وقت سے تعلق رکھا۔ آخر میں ''یارکند'' چند سال وہاں رہ کر ۱۲۳۶ھ میں وفات پائی۔

اخوند ملا تیمور خاں باجوڑیؒ: حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ ۲۲ر سال خدمت اقدس میں رہے اور سلوک طے کیا۔ بعد واقعۂ شہادت پیر و مرشد اپنے وطن ''باجوڑ'' کو چلے گئے۔ وہاں خلق کثیر آپ کی مرید ہوئی اژدہام اتنا ہوتا تھا کہ ہر رات تقریباً چالیس بکریاں مہمانوں کے لیے ذبح ہوتی تھیں۔ غزوات میں مشغول رہتے تھے بہت سے آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اگرچہ تحصیل علم کم تھی مگر غایت صفائے باطن کی وجہ سے ان علماء کو جو مناظرہ و امتحان کے لیے آتے تھے شافی جواب دیتے تھے۔ مناظرہ میں عاجز نہیں ہوتے تھے اور ان علماء میں سے اکثر معتقد ہو جاتے تھے۔ فصیح اللسان، بلند قامت اور خوش چہرہ تھے، قرأت بھی اچھی تھی۔ قصبہ ''کونا نیر'' میں جو حدود ''یوسف زئی'' میں قریب باجوڑ ہے اور جس کو آپ نے خود آباد کیا تھا مدفون ہوئے۔ آپ کے بعد آپ کے جانشین صاحبزادہ محمد معصوم ہوئے۔ وہ بھی عالم و فاضل اور خلیق و متواضع تھے۔ کسب باطن اپنے والد سے کیا تھا۔ بعض علوم پشاور میں وہاں کے علماء سے پڑھے تھے۔ فقہ و اصول کو باجوڑ میں پڑھا۔ مکتوبات اور بعض کتب تصوف کو اپنے والد سے پڑھا۔ بہت ذکی تھے اپنے والد کے ساتھ ترکستان کا سفر بارہا کیا۔ بعد وفاتِ پدر شہرت عظیم پائی۔ دیارِ کفار کو مسخر کیا تھا بہت سے آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے تھے۔ ۱۲۳۵ھ کے لگ بھگ اہل ''بدخشاں'' کی درخواست پر علماء و طلباء کے مجمع کے ساتھ بدخشاں گئے۔ موضع ''آق بلاق''

میں جو کہ بدخشاں وقندوز کے درمیان ہے انتقال کیا۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کا ایک مکتوب گرامی: یہ مکتوب گرامی حضرت سید موسیٰ خاں[1] دہلوی کے نام ہے ''کلماتِ طیبات'' یا اور کسی دوسری مطبوعہ کتاب میں یہ نظر سے نہیں گذرا۔ بطور تبرک اس مکتوب[2] کو بھی مع ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

''الحمدالله علی نوالہٖ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ و صحبہٖ و آلہٖ..

ازفقیر جانجاناں، حضرت سید موسیٰ خاں صاحب سلمه الرحمن مطالعه نمانید. فقیر در اوائل ماه صفر ۱۱۸۸ھ یك هزار و هشتاد و هشت) در محروسه پانی پت بعافیت است و مردم محله دهلی بخیرند و عمر قریب بهشتاد رسیده و ضعفِ پیری مستولی است هر روز چهار وقت حلقه می شود. صبح و نصف النهار و شام(بوقت) خفتن مردمان حاضرمی شوند.... از علماء و سادات طائفه طائفه از مقامات گزشته اجازت یافته بلاد رخصتِ مراجعت می یابند و از اقران و امثال کسے کم مانده است و ممالك هندوستان پر از آشوب است در هر ناحیه فتنه ها پیداست، ر کارخانه معاش و معاد اینجا افتاده است. ارادهٔ حج دارین ناتوانی و بے سامانی رخصت نداد..... سفرِ درازِ آخرت در پیش است حق تعالیٰ بتصدقات حضرات بآسانی بمزنل مقصود رساناد و از روز مفارقت تا امروز خیر معتبر از ولایت نرسید بعد انتظار بسیار حاجی عبدالقادرنام عزیزے از مخلصان ایشاں پیام سلامتی ایشاں را رسانیدجان تازہ در قالب

---

[1] آپ حضرت مرزا صاحب شہیدؒ کے پیر بھائی تھے۔ نوادرالمعارف سے جو کہ خود آپ کی تالیف ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ۱۱۵۱ھ میں حضرت شیخ محمد عابدؒ کی خدمت میں دہلی آئے اور ۹ رسال تک اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں رہے۔ [2] اس مکتوب پر یہ شعر لکھا ہوا ہے۔

حیف بادا حیف بادا بر سر ایں زندگی ☆ خانخاناں بودن و لے جانجاناں زیستن (فریدی)

ایں مردهٔ صد ساله دمید، ایام صحبتهاء گذشته بیاد آمد و سبحانه و تعالیٰ در عمر و ارشاد ایشاں بیفزاید که آں بلاد را منور ساخته اند و اظهار اشتیاق حاصلے ندارد. ملاقاتها نظر باسباب متصور نیست. ان شاء الله تعالیٰ بشرط حسن خاتمه در بشهت جاوداں بر خور خاطر خواه میسر خواهدشد. چوں از بعد مسافتِ کمتر مردم از هندوستاں بآں بلاد میروندبدر ارسال نامهٔ ما مقصریم و ایشاں هم معذوراند. الحمدالله از دعا غافل نیستم و ایشاں هم دعائے خیر خاتمه را فراموش ننمائند. واز هم پیرانِ مادریں مملکت غیر از میرزا مظفر که مشغول بارشاداست هیچ کس زنده نیست بلکه از خاندانِ عالیشانِ صاحبزادگان که صاحبِ ارشاد و تاثیر باشند نیستند والسلام علی من اتبع الهدی والتزم متا بعة المصطفیٰ.
و سبب ترک اقامت در دهلی آنست که طالبانِ خدا درشهر کمترند و در قصبات بیشتر. اسباب تنعم و تجمل (که) سرمایه غفلت است در شهر بسیار تر می باشد ودر دهات و قریٰ کمتر والسلام. ‘‘

ترجمہ: بعد حمد وصلوٰۃ فقیر جان جاناں کی طرف سے حضرت سید موسیٰ خاں صاحب ملاحظہ فرمائیں۔ فقیر اس وقت اوائل ماہ صفر ۱۱۸۸ھ میں پانی پت کے اندعافیت سے ہے۔ محلّہ دہلی کے لوگ بھی بخیر ہیں۔ میری عمر اب اسّی کے قریب پہنچ گئی ہے۔ بڑھاپے کا ضعف غالب ہے۔ روزانہ چار وقت حلقہ ہوتا ہے صبح، دوپہر، شام اور رات۔ لوگ حاضر ہوتے ہیں۔ علماء وسادات سے گروہ گروہ اجازت حاصل کر کے (اپنے اپنے) شہروں کو جانے کی رخصت پاتے ہیں۔ اب میرے ہم عمروں میں کم لوگ باقی رہے ہیں۔ اس وقت ہندوستان کی حالت ابتر ہے۔ ہر طرف فتنہ برپا ہے ..... ارادۂ حج تھا ناتوانی اور بے سامانی نے اجازت ہی نہ دی۔ اب تو سفر دراز آخرت درپیش ہے حق تعالیٰ بزرگوں کے صدقے میں

آسانی سے منزل مقصود تک پہنچادے۔ آپ کے جدا ہونے کے بعد سے آج تک آپ کی کوئی خبر نہیں ملی تھی بعد انتظار بسیار حاجی عبدالقادر نے جو آپ کے مخلصوں میں سے ہیں آپ کی سلامتی کا پیام پہنچایا۔ جس سے اس مردۂ صد سالہ کے جسم میں جان تازہ آ گئی اور ایام گذشتہ کی صحبتیں یاد آنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر اور ارشاد و تلقین میں برکت عطا فرمائے۔ آپ نے اس علاقے کو منور کر دیا ہے۔ آپ سے اظہار اشتیاق ملاقات کروں تو بیکار ہے۔ اسباب ظاہری کے پیش نظر آپ سے ملاقات کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بشرط حسن خاتمہ بہشت جاوداں میں خاطر خواہ ملاقات میسر آئے گی۔ چونکہ بُعدِ مسافت کے باعث بہت کم ہندوستانی آپ کے علاقے میں آتے جاتے ہیں۔ اس لیے ارسال خط و کتابت سے بھی قاصر ہوں اور آپ بھی معذور ہیں۔ الحمدللہ دعا سے غافل نہیں ہوں آپ بھی خاتمہ بالخیر کی دعا سے مجھ کو فراموش نہ فرمائیں۔ ہمارے ہم پیروں (پیر بھائیوں) میں سے اس ہندوستان میں سوائے مرزا مظفر کے جو کہ ارشاد و تلقین میں مشغول ہیں اب کوئی زندہ نہیں رہا بلکہ خاندانِ عالیشان میں بھی ایسے صاحبزادگان جو صاحب ارشاد و تاثیر ہوں نہیں ہیں۔ والسلام (دیگر یہ کہ اقامت دہلی کو ترک کرنے کا سبب یہ ہے کہ طالبانِ خدا شہر میں کم اور قصبات میں زیادہ ہیں۔ تنعم و تجمل کے اسباب جو سرمایہ غفلت ہوا کرتے ہیں شہر میں زیادہ اور دیہات وقصبات میں کم ہیں۔ والسلام

مسجد نبویؐ میں تبلیغی اجتماعات: روزانہ ''مسجد نبویؐ'' میں بعد مغرب تبلیغی اجتماع ہوتا تھا اور عشاء کی اذان تک جاری رہتا تھا۔ فجر کی نماز کے بعد اشراق تک بھی کسی نہ کسی کی تقریر آدابِ زیارت و مناسک حج پر ہوتی تھی۔ چاشت کے وقت تعلیمی مجلس منعقد ہوتی تھی۔ ڈاکٹر سعید صاحب مصری کچھ فاصلے پر مصریوں کے مجمع میں بعد نمازِ فجر تقریر کرتے تھے۔ ایک دن بعد نمازِ مغرب داؤد فیصل صاحب کی ایک تقریر انگریزی زبان میں تبلیغی کام کرنے والوں کے اہتمام سے ہوئی۔ اس کو علاوہ ہندوستان اور پاکستان کے مصر اور حجاز کے

علماء وعوام نے سنا۔ مولانا عبدالملک صاحب مرادآبادی نے ان کی تقریر کے دو ترجمے کئے ایک عربی میں، ایک اردو میں جس سے تمام حاضرین مستفیض ہوئے۔ درحقیقت دوہرے ترجمے کے فرائض کو انجام دینا خداداد لیاقت واستعداد کی بات تھی۔ ہر ایک سے یہ کام نہیں ہوسکتا۔ غالباً جمعرات کے دن تبلیغی مرکز میں اجتماع ہوتا تھا جس کی تعمیر کچھ ہی عرصہ ہوا ہے پایۂ تکمیل کو پہنچی ہے۔ وہاں میرا جانا نہ ہوسکا۔ زیادہ تر مفتی زین العابدین صاحب لائل پوری مغرب کے بعد تقریر فرماتے تھے۔ ان کی تقریر سے اردو داں حجاج کو بہت فائدہ ہوتا تھا۔ خیاط صاحب بھی جو کچھ عرصے مرکز دہلی میں رہ چکے ہیں۔ عموماً بعد نماز فجر مناسک حج پر تقریر فرماتے تھے۔

مدینہ منورہ کا موسم: یہاں کا موسم بہت ہی خوشگوار تھا۔ ہمارے مختصر سے قیام کے زمانے میں دو مرتبہ بارش ہوئی اور ایک دن تو خوب ہی موسلا دھار بارش ہوئی۔ میں اس وقت ''مسجد نبویؐ'' میں تھا جس وقت کالی گھٹا اٹھی تو عجیب شان سے ''مسجد نبویؐ'' کے صحن پر ایک سیاہ شامیانہ تنا ہوا نظر آیا۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

پیام لائی ہے بادِ صبا مدینے سے ☆ کہ رحمتوں کی اٹھی ہے گھٹا مدینے سے

واقعی رحمتوں کی ہی گھٹا تھی جو فضائے مدینہ میں پیام فرحت ومسرت لائی تھی۔

مدینے کی برسات تو کتنی بہار آگئیں ہوتی ہوگی جس کی یاد میں زائر حرم حمید لکھنوی نے کہا ہے

سب میرے رونے کا کیا پوچھتے ہو ☆ مدینے کی برسات یاد آ رہی ہے

ہندوستان کے لحاظ سے یہ برسات کا موسم نہ تھا وہاں اس زمانے میں سخت لو چل رہی ہوگی مگر یہاں تو مئی کے مہینے میں ساون کا نظارہ تھا۔ وہ سماں بھی تمام عمر نہ بھولوں گا جب بارش زوروں سے ہو رہی تھی اور ''حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم'' کی چھت کے تمام پرنالے زور شور کے ساتھ بہہ رہے تھے۔ سیکڑوں اشخاص پرنالوں کے نیچے کھڑے ہوئے اپنے سروں پر پانی لے رہے تھے اور اپنے دلوں کی حسرت نکال رہے تھے اور بہت سے

صراحیوں میں وہ پانی لے لے کر پی رہے تھے۔ میں نے اور ماسٹر علاءالدین صاحب نے بھی ایک صراحی میں پانی لیا اور خوب پیا۔ بارش کی وجہ سے سردی بھی کافی ہوگئی تھی۔ رات کو مکان کے اندرونی حصے میں بھی موٹی چادر یا کمبل کی ضرورت پڑی تھی۔ میں نے اپنے بعض ساتھیوں سے سنا کہ ایک دن کسی وقت ہلکی سی اولے کی چھال بھی آئی تھی۔

مدینہ منورہ کے روز و شب: یہاں یوں تو رات دن رحمت الٰہی برستی ہوئی نظر آتی ہے مگر رات کو دلکشی کا عالم عجیب ہوتا ہے۔ ظاہری روشنی سے بھی ''مسجد نبویؐ'' بقعۂ نور بنی رہتی ہے اور باطنی انوار بھی ہر مومن کو بقدرِ ظرف محسوس ہوتے ہیں۔ درحقیقت یہ تمام رونقیں، یہ تمام انوار، یہ تمام تجلیات اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ہیں جو گنبد میں محوِ آرام ہے۔ اس بدرِ کامل کے طفیل میں ہیں جو حجرۂ عائشہ صدیقہؓ میں پنہاں ہے۔ اس کی روشنی ''مدینہ ومکہ'' میں ہی نہیں تمام اکناف واطراف عالم میں پہنچ رہی ہے۔

حجرۂ عائشہؓ میں ہے مہ تاباں جو نہاں ☆ بصد آداب نیاز اس مہ تاباں کو سلام
جگمگا اٹھی فضائے روخِ کعبہ جس سے ☆ اسی قندیل حرم، شمع فروزاں کو سلام
(فریدیؔ)

اس موقع پر حضرت اصغر گونڈویؒ کا ایک نعتیہ شعر پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا جو میرے روح وقلب کی ترجمانی کر رہا ہے۔

بجلی ہو مہ و مہر ہو یا شمع حرم ہو ☆ ہے سب کے جگر میں رُخ تابانِ محمدؐ

''مدینہ منورہ'' میں ''مسجد نبویؐ'' کے اندر تلاوت قرآن مجید کے وقت بھی عجیب کیفیت ہوتی تھی جب کہ ذہن میں یہ بات آتی تھی کہ جس ذاتِ اقدس پر قرآن پاک نازل ہوا ہے وہ یہیں آرام فرما ہیں، ان کا روضہ نظروں سے قریب ہے جن صحابہؓ کے بارے میں آیات ہیں ان میں سے ''شیخین معظمینؓ'' تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہی ہیں اور باقی ''جنت البقیع'' اور ''اُحد'' میں جنت کے مزے لے رہے ہیں جو ''مسجد نبویؐ'' سے

زیادہ دور نہیں "میدان بدر" بھی یہاں سے کچھ زیادہ دور نہیں۔ سرفروشانِ اسلام اسی مسجد میں آ آ کر تہذیب اخلاق اور حکمت کے سبق لیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی مسجد میں ان کو آیات قرآنی سب سے پہلے سناتے تھے۔ جبرئیل امین "وحی" لے کر اس مسجد میں آتے تھے۔ ازواجِ مطہراتؓ کے حجرے یہیں قریب میں بنے ہوئے تھے۔ سورۂ حجرات انہیں حجرات کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ ان میں سے "حجرۂ عائشہ صدیقہؓ" کے اندر خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دو محبوب ترین ساتھیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔

چند مہاجرین: حافظ یوسف علی صاحب بھوپالی سے دو مرتبہ ان کے ذاتی مکان پر ملاقات ہوئی۔ یہ حضرت شاہ ابو احمد صاحب مجددی قدس سرہٗ کے مرید ہیں۔ علیل ہیں ان کی گفتگو بڑی رقت آمیز تھی۔

مولانا عبدالعزیز بخاری سے بھی ان کے مکان پر ملاقات ہوئی۔ یہ بریلی میں بھی رہ چکے ہیں۔ مولانا حبیب اللہ ابن استاذ نا حضرت مولانا احمد علی مفسر لاہوری مد ظلہما[1] عرصے سے "مسجد نبوی" میں درس دیتے ہیں۔ تھوڑی دیر ان کے درس میں بیٹھا بعد فراغت ملاقات ہوئی۔ فی سبیل اللہ درس دیتے ہیں اور توکل پر گذر اوقات ہے اور بھی چند مہاجرین سے

---

[1] شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ۔ آپ اپنے عصر کے مشہور مفسر اور بلند پایہ شیخ طریقت تھے۔ ۲؍رمضان ۱۳۰۴ھ موافق ۱۸۸۶ء میں "گوجرانوالہ" کے قصبہ جلال پور میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم والدہ کی آغوش اور مکتب کوٹ سعد اللہ میں ہوئی۔ زیادہ تر تعلیم امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے حاصل کی۔ بقیہ علوم کی تحصیل مدرسہ "دار الارشاد" گوٹھ پیر جھنڈا میں کر کے ۱۳۲۷ھ میں سند فراغت حاصل کی اور وہیں سے درس و تدریس کا آغاز کیا۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی صاحبزادی سے نکاح ہوا۔ جمعیۃ الانصار اور نظارۃ المعارف القرآنیہ میں مولانا سندھیؒ کے معاون رہے۔ تحریک "شیخ الہندؒ" میں پورا حصہ لیا۔ تحریک کی ناکامی کے بعد جیل جانا پڑا۔ دہلی سے جلاوطن ہو کر لاہور پہنچے وہاں انجمن خدام القرآن اور مدرسہ قاسم العلوم قائم کیا اور وہیں پوری عمر درس قرآن جاری رکھا۔ آپ کے درس تفسیر قرآن میں دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس کے فضلاء شریک ہوتے تھے۔ مولانا فریدیؒ نے بھی آپ سے تفسیر پڑھی اور تفسیری نوٹ بھی لکھ کر لائے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند اور اس کی مجلس عاملہ کے رکن رہے۔ آزادیٔ وطن کے سلسلے میں متعدد بار گرفتار ہوئے ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کی جدوجہد میں بھی قید ہوئے۔ ۱۳۸۱ھ موافق ۱۹۶۲ء میں وصال ہوا۔ لاہور میں تدفین ہوئی۔

ملاقات ہوئی جن کے نام یاد نہیں رہے ان مہاجرین سے مل کر قلب کی عجیب کیفیت ہوتی تھی سوچتا تھا کہ اپنا وطنِ مالوف چھوڑنا اور جائیداد و املاک نیز عزیز و اقارب کو خیر باد کہنا بغیر کسی قوی تحرک کے آسان نہیں ہے۔ یہ وفورِ جذبۂ ایمانی ہے جو ان کو دیارِ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں کھینچ لایا ہے وہ توکل و قناعت سے بسر کر رہے ہیں۔ اور اس جگہ کو چھوڑ کر کہیں جانا پسند نہیں کرتے ان حضرات نے سوچ سمجھ کر آخری فیصلہ کیا ہے کہ ہم ''مدینے'' کی گلیوں میں رہیں گے اور ''مسجد نبویؐ'' کے انوار و برکات سے مستفیض ہوں گے اور یہیں کی خاک میں حشر تک سوئیں گے ان مہاجرین میں سے بعض حضرات کی پُر تاثیر باتوں سے دل پر جو اثر ہوا وہ اب تک باقی ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو ☆ عجب چیز ہے لذت آشنائی

ایک دن ''مسجد نبویؐ'' میں حضرت قاری فتح محمد پانی پتی سے ملاقات ہوئی۔ نابینا ہیں مگر دل کی آنکھیں روشن ہیں، صاحب تاثیر اور ماہر فن بزرگ ہیں۔ غالباً لاہور کے کسی مدرسے میں فن تجوید کی خدمات انجام دیتے ہیں۔ مولانا عبدالرؤف[1] خاں صاحب بھی

---

[1] مولانا عبدالرؤف خاں بریلوی۔ آپ ۶ را کتوبر ۱۹۱۸ء کو چھتاری ضلع بلند شہر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور منشی عبدالغفور سے حاصل کی۔ بقیہ علوم کی تحصیل کے لیے مرکز علوم ''دارالعلوم دیوبند'' میں داخلہ لیا اور جملہ علوم کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ درس و تدریس کا آغاز مدرسہ ''اشاعت العلوم'' بریلی سے ہوا۔ اس زمانہ میں مولانا محمد یٰسین صاحبؒ مہتمم مدرسہ تھے۔ آپ ایک کامیاب مدرس ثابت ہوئے۔ آپ کے درس کی شہرت دور دور تک پہنچی اور مدرسہ اشاعت العلوم علاقہ کا مرکزی مدرسہ بن گیا۔ مولانا اپنی بلند ہمتی اور جرأت کی بدولت بریلی کی دیگر تحصیلوں میں دارالعلوم دیوبند کے مسلک کے مدارس و مکاتیب قائم کیے۔ مولانا محمد یٰسینؒ کے انتقال کے بعد منصب اہتمام کی ذمہ داری سپرد ہوئی۔ آپ تحریک آزادی کے مرد مجاہد بھی تھے ۱۹۳۱ء سے ۱۹۴۲ء تک ہر تحریک میں جیل گئے۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا حفظ الرحمٰنؒ اور دوسرے رہنما جب مرادآباد جیل سے بریلی جیل منتقل کیے گئے تو آپ نے ان کی راحت رسانی میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ ان لوگوں کے جیل میں جانے سے چند دن پہلے خود بریلی جیل سے رہا ہوئے تھے۔ بریلی سے یوپی اسمبلی کی سیٹ پر پنڈت گوبند ولبھ پنت کا مقابلہ کر کے مسلمانوں کو حوصلہ دلایا جب کہ خود ناکام ہوئے۔ آپ نے ایک ہفتہ وار اخبار ''مشاورت'' کا اجرا کیا ۱۹۵۲ء میں ایم ایل سی کے الیکشن کے لیے کھڑے ہوئے اور کامیاب ہوئے۔ چودہ سال کونسل کے ممبر رہے۔......... مسلسل

امسال حج وزیارت کے لیے آئے تھے۔ ''مدینہ منورہ'' میں ان سے ملاقات ہوئی۔ ان سے ملاقات ہوکر ایام ''بریلی'' کا زمانہ یاد آگیا جب کہ ان سے دفتر ''الفرقان'' میں اور مدرسہ اشاعت العلوم میں ملاقاتیں رہا کرتی تھیں۔ مولانا ظل الرحمٰن نہٹوری صدر مدرس مدرسہ جامع مسجد نہٹور اور مولانا حبیب الرحمٰن میواتی سے بھی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ حضرت مولانا اعظمی مدظلہ سے بھی ملاقات ہوتی رہتی تھی وہ مدرسہ علوم شرعیہ کے بالائی حصے میں ایسے بغلی کمرے میں مقیم تھے کہ اگر خود اس کمرے کی نشاندہی نہ فرماتے تو ملاقات مشکل سے ہوتی۔ مجھے از راہِ نوازش اپنی قیامگاہ کا پتہ بتا دیا تھا۔ بعد کو ایک دوسرے کمرے میں طبیعت کے علیل ہو جانے کے باعث چلے گئے تھے۔ حضرت مولانا سے میں کچھ نہ کچھ دریافت کرتا رہتا تھا اور وہ جوابات سے نوازتے رہتے تھے۔ ایک دن میں نے دریافت کیا کہ ''القول الجلی فی ذکر الولی'' جو مولانا شاہ محمد عاشق پھلتی[1] نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے حالات

مسلسل..... سنی وقف بورڈ یو. پی. کے ممبر منتخب ہوئے۔ جمعیۃ علماء ہند سے طالب علمی ہی کے زمانہ سے وابستہ تھے۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور خانوادۂ مدنیؒ کے شیدائی تھے۔ حضرت مدنیؒ بھی ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ حضرت مدنیؒ کے علاوہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ ۳۰/اگست ۱۹۹۸ء میں وصال ہوا اور بریلی میں تدفین ہوئی۔

[1] شاہ محمد عاشق پھلتی۔ آپ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے خلیفہ اکبر بقول شیخ ابوطاہر کردی مدنیؒ ان کے کمالات کا آئینہ تھے۔ رشتہ میں آپ شاہ صاحبؒ کے ماموں زاد بھائی اور برادر نسبتی تھے۔ شاہ صاحبؒ کے خلفاء اور تلامذہ میں آپ کے پایہ کا کوئی دوسرا نہیں تھا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ نے تکمیل علم ظاہری اور باطنی آپ ہی سے کی۔ شاہ ولی اللہؒ نے ۱۱۴۳ھ میں سفر حجاز کیا تو رفاقت میں آپ اور آپ کے والد شیخ عبیداللہ بھی تھے۔ صرف ادائے مناسک ہی میں نہیں بلکہ مشائخ حدیث کے پاس سماعت حدیث میں بھی شریک تھے۔ شاہ ولی اللہؒ کے حالات میں ''القول الجلی فی ذکر الولی'' لکھی جواب اصل اور اس کا ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ شاہ صاحبؒ کی کتاب ''دعاء الاعتصام'' کی شرح کی۔ آپ خود بھی صاحب تصانیف تھے۔ سلوک میں ''سبیل الرشاد'' نامی کتاب لکھی۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ ''مصفی شرح مؤطا'' کی تبیض ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مکتوبات کو تلاش کر کے آپ اور آپ کے صاحبزادے شاہ عبدالرحمٰنؒ نے جمع کیا۔ جس کو صاحب سفر نامہ حضرت مولانا فریدیؒ نے مرتب کر کے اردو ترجمہ کیا ہے اور شاہ ولی اللہ کے نادر مکتوبات کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ شاہ محمد عاشق صاحبؒ کی وفات ۱۱۸۷ھ موافق ۱۷۷۳ء میں ہوئی۔ پھلت ضلع مظفر نگر میں مدفون ہیں۔ (محب الحق)

میں لکھی ہے۔ اس کا بھی اب کہیں وجود ہے؟ مجھے تو باوجود تلاش بسیار اب تک کسی کتب خانے میں اس کا پتہ نہیں چلا۔ فرمایا کہ "کاکوری" کی خانقاہ کے کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔ میں نے اس کو دیکھا ہے اور اس کے بعض مضامین بھی اپنی یادداشت سے بیان فرمائے۔ مجھے جہاں اس کتاب کا سراغ مل جانے سے مسرت ہوئی وہاں یہ افسوس بھی ہوا کہ ہمارے بزرگوں کی بہترین علمی وفنی کتابیں اور دستاویزیں اب نذر کرم خوردگی ہوتی جا رہی ہیں اور وہ ایسے پرائیوٹ کتب خانوں میں ہیں جہاں تک پہنچنا بغیر کسی سفارش وسعی کے بہت ہی مشکل ہے۔ کاش یہ کتاب اور اس قسم کی دیگر نادر قلمی کتابیں طبع ہو جاتیں اور موجودہ اہل خانقاہ اپنے اسلاف کی یادگار کے طور پر ان کتابوں کو شائع کرتے اس سے اس دور کے جدید تعلیمیافتہ طبقے کے قلوب پر بالخصوص خانقاہوں کی اہمیت وعظمت قائم ہوگی اور یہ واضح ہوگا کہ ہمارے بزرگ خانقاہ میں صرف تزکیۂ نفوس ہی کا کام انجام نہیں دیتے تھے بلکہ وہ علوم وفنون کے بھی ماہر وکامل تھے ان کے علمی ذوق وشوق نے ان کی خانقاہوں میں نادر کتابوں کے مخزن جمع کرادیے تھے۔

کھجوریں: کھجوریں "مدینہ منورہ" کا خاص تحفہ اور تبرک ہیں۔ ہمارے قافلے والوں نے کھجوروں کی منڈی میں جا کر اس متبرک پھل کو خریدا میں بھی کئی مرتبہ منڈی میں گیا۔ آموں کے زمانے میں ہمارے علاقے میں آم بازار میں اتنی کثرت سے نہیں پائے جاتے جتنی کھجوریں بے موسم کے یہاں کی منڈی میں رکھی ہوئی ملتی ہیں۔ کھجوروں کے اقسام کثرت سے ہیں۔ خاص اہتمام سے سال دو سال تک کھجوروں کا ذخیرہ محفوظ کیا جاتا ہے اور زائرین کی آمد کے وقت اس کو بازار میں لایا جاتا ہے۔ کھجوروں کے فروخت کرنے والے اردو بھی بولتے اور سمجھ لیتے ہیں۔ ہم نے جہاں سے کھجوریں خریدیں وہ دکاندار بڑا پُر لطف اور خوش خلق تھا۔ ایک عجیب انداز کے ترنم آمیز عربی نغموں سے وہ گاہکوں کو اپنی طرف متوجہ کررہا تھا۔ رطب (تازہ کھجوروں) کا یہ زمانہ نہ تھا۔ مولانا سید مغیث الدین صاحب

مہاجر نے فرمایا کہ حج کے بعد آخری جہاز سے جانے والوں کی آمد کے موقع پر شاید رطب چل پڑے۔ رطب کی خوش ذائقگی سے کان ضرور آشنا ہیں مگر کام و دہن کو اس کی لذت نصیب نہیں ہوئی۔ بڑے خوش نصیب ہیں وہ جو رطب کی تیاری کے وقت ''مدینہ منورہ'' میں موجود ہوتے ہوں گے۔

۹ رمئی کو منگل کے دن ''مدینہ منورہ'' سے بعد نماز عصر رخصت ہوا۔ روضۂ اقدسؐ پر حاضری دی، جنت البقیع بھی حاضر ہوا اور چلتے وقت بھی گنبد خضرا کا نظارہ کیا دل کھچا جا تا تھا یا اللہ پھر اس روضۂ مقدسہ کا دیدار میسر ہوگا یا نہیں؟ کاش پھر میسر ہو۔ اسی دن حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھی مدظلہ سے بھی ملنے گیا انھوں نے عرفات وغیرہ میں اپنے لیے دعا کو فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ املائی درس کی وجہ سے میرا ایک رشتہ آپ لوگوں سے ہو گیا دعا میں فراموش نہ کرنا۔ آج مولانا نیاز محمد صاحب اور حضرت مولانا اعظمی سے بھی ملاقات کی۔ حضرت مولانا اعظمی سے میں نے دریافت کیا کہ ''حرم مکہ'' میں آپ سے ملاقات کی کیا صورت رہا کرے گی۔ فرمایا کہ میں شیخ عبداللہ زمزمی کے یہاں ملا کروں گا جو ''باب ابراہیم'' کے قریب ایک حجرے میں رہتے ہیں۔ الغرض بعد عصر احرام باندھ کے بصد حسرت ویاس اس سرزمین مقدس کو الوداع کہا۔

یاد آ رہے ہیں: جب سے اس سرزمین مقدس کو چھوڑا ہے مجھے ''مسجد نبویؐ'' کے بام و در یاد آ رہے ہیں اس کے فرش فروش یاد آ رہے ہیں۔ دینی اجتماعات یاد آ رہے ہیں۔ ''مدینہ منورہ'' کی گلیاں یاد آ رہی ہیں۔ اذانیں یاد آ رہی ہیں۔ امام کی قرأت، جماعت کی صفیں، زائرین کا ہجوم، یمنی سقوں کا پانی پلانا، حتیٰ کہ کبوتروں کا نغمہ سرائی کرنا ورقص کرنا، ہوا میں اُڑنا اوران کا عجیب استغنائی انداز میں دانہ چگنا یاد آ رہا ہے۔ ہوٹل میں اور ''مدینہ منورہ'' کے مکان میں خوبصورت وخوش رنگ بلّیاں جو دل ربائی کی خاص شان رکھتی تھیں وہ بھی یاد آ رہی ہیں۔ غرض کہ ''مدینہ منورہ'' کا ذرہ ذرہ یاد آتا ہے کاش پھر ''مکہ و مدینہ'' کی حاضری

نصیب ہو۔

ہندوستان آ کر چند اشعار لکھے ہیں ان کو اس موقع پر ہی پیش کر دینا چاہتا ہوں۔ ان میں نامکمل طور پر اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔

زہے خاکِ پاکِ طیبہ زہے اس کی ضوفشانی ☆ وہ نزول رحمتِ حق وہ نشاط و کامرانی
وہ فضائے روح پرور وہ ظہور ولطف ورحمت ☆ وہ ہوائے کیف آور وہ وفور شادمانی
یہ جو سامنے ہے گنبد یہی روضۂ نبیؐ ہے ☆ اُسے دیکھنے کی خاطر تھی عزیز عمر فانی
اسی جا ہیں جلوہ آرا اسی جا ہیں محو راحت ☆ شہِ دوسرا کہ جن کی ہے دلوں پہ حکمرانی
یہی مرکزِ یقیں ہے یہی مخزنِ سکوں ہے ☆ دل وجاں کے واسطے ہے یہ سرور و شادمانی
اسی جا ہے روحِ عالم اسی جا ہے جانِ ایماں ☆ وہ نبیؐ لطف ورحمت وہ رسول جاودانی
وہ ہجوم عاشقوں کا جو شمار سے ہے افزوں ☆ وہ توجہ گرامی بکمال مہربانی
کوئی رو رہا ہے پیہم کوئی ہے مراقبے میں ☆ کسی جا پہ ہے تلاوت کہیں ہے درود خوانی
ہے قریب شاہِ بطحی ابوبکر صدق آرا ☆ وہ وفاء شعار ہمدم وہ رفیق جاودانی
ابدی نشاط میں ہے سرِ خود نہادہ پرور ☆ وہ عمرؓ وہ عدل گستر وہ امیر دو جہانی
میرے دل نے جو بھی دیکھا ہے آنکھ اس سے قاصر ☆ یہ زباں کیا کرے گی میرے دل کی ترجمانی

میں یہاں ہوں اے فریدی ہے وہاں پہ روح میری
میری روح کو وہیں پر ہے سرور و شادمانی

مکہ معظّمہ کو واپسی: ۲۳ رذی قعدہ بروز سہ شنبہ بعد عصر "مدینہ منورہ" سے روانہ ہو کر مغرب کی نماز "ذوالحلیفہ" (بیر علی) میں پڑھی وہیں احرام کی نیت کی، راستے میں ایک مقام پر عشاء کی نماز پڑھی۔ صبح کی نماز بھی اطمینان کے ساتھ ادا کی۔ راستے میں سردی بہت زیادہ تھی، سردی کی وجہ سے لوگ تھر تھر کانپ رہے تھے۔ احرام کی وجہ سے سر ڈھک نہیں سکتے تھے البتہ جن حاجیوں نے تولیہ کا احرام باندھا تھا وہ قدرے آرام سے

تھے۔ ظہر کی نماز ''جدّے'' کی ایک مسجد میں پڑھی۔ ڈرائیور نے قصداً دیر لگائی ورنہ ہم ظہر سے پہلے ''مکہ معظمہ'' پہنچ سکتے تھے۔ چہار شنبہ کو عصر کے وقت مکہ معظمہ پہنچے۔ ایام حج قریب آ جانے کی وجہ سے ''مکہ معظمہ'' میں اب بڑا ہجوم ہو گیا ہے، عجیب چہل پہل ہے، ہر ایک گلی کوچے میں بڑی رونق ہے، اکثر و بیشتر حجاج اطراف عالم سے ''مکہ معظمہ'' آ چکے ہیں، کچھ جہاز باقی رہ گئے ہیں وہ بھی سطح سمندر پر تیرتے ہوئے اور فضائے آسمانی پر اُڑتے ہوئے تیزی سے آ رہے ہیں۔ حاجیوں کے استقبال و انتظام میں معلّموں کے کارندے اور ملازمین دوڑے دوڑے پھر رہے ہیں۔ ہر معلّم کا دفتر تمام کرایہ کے مکانات اور ان کے قریب کی گلیاں اور سڑکیں حاجیوں سے بھری ہوئی ہیں۔ موسمِ بہار اور فصلِ گل کا سماں ہے، سڑکوں پر چھڑکاؤ ہو رہے ہیں، گلیوں میں کرسیاں قطار در قطار بچھی ہوئی ہیں، تمام بازار خوب آراستہ ہو رہے ہیں، ''مسجد الحرام'' میں تل رکھنے کی جگہ نہیں ہے ''مطاف'' بھرا ہوا ہے، اوقات نماز کے علاوہ رات دن شمعِ توحید کے پروانے اس کے گرد گھوم رہے ہیں ''ملتزم'' سے چمٹ چمٹ کر اور غلافِ کعبہ کو پکڑ پکڑ کر اہلِ دل رو رہے ہیں، چیخ رہے ہیں، زور زور سے ''یا رب البیت'' کے نعرے لگا رہے ہیں اب ''سنگ اسود'' تک پہنچنا اور اس کو بوسہ دینا بڑے ہی باہمت اور طاقتور کا کام ہے بلکہ بہت سے واقف دین طاقتور بھی اس خیال سے کہ ضعیفوں کو اذیت نہ پہنچے دور ہی سے ''سنگ اسود'' کی طرف ہاتھوں کے اُٹھا دینے اور ان کو چومنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔ ''چاہ زمزم'' کے قریب اور ''مقامِ ابراہیم'' پر بھی کثیر اژدہام ہے۔ اذان سے بہت پہلے نہ آیا جائے تو دروازوں میں بھی جگہ ملنا مشکل ہے۔ وہ نظارہ بھی دیدنی ہے جب کہ ''کعبۃ اللہ'' کے چاروں طرف ایک امام کی اقتداء میں صفیں باندھ کر لاکھوں کی تعداد میں فرزندانِ توحید خداوند قدوس کی عبادت کے لیے کھڑے ہوتے اور اس کے حضور میں رکوع و سجود ادا کرتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کا مکتوبِ[1] گرامی: میں نے دعا کے لیے جہاں اپنے دیگر اکابر کی خدمت میں عریضے لکھے تھے حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ شیخ الحدیث مظاہر علوم، سہارنپور کی خدمت اقدس میں بھی مسافر خانہ بمبئی سے ایک عریضہ روانہ کیا تھا۔ حضرت والا نے اس کا جواب مدرسہ صولتیہ کے پتے پر عنایت فرمایا۔ ''مدینہ منورہ'' سے ''مکہ معظمہ'' پہنچا تو دفتر صولتیہ میں یہ مکتوبِ گرامی مجھے ملا۔ بڑی مسرت ہوئی اور اس بات کا اندازہ بھی ہوا کہ حضرت والا مدظلہ جوابِ خطوط کا کتنا اہتمام فرماتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ میرا عریضہ جواب طلب نہیں تھا اور نہ یہ امید تھی کہ اس کا جواب آئے گا مگر اپنی کریمانہ عادت کے مطابق حضرت گرامی قدر نے مجھے شادکام کرنے کے لیے چند سطور ارقام فرما دیں۔ میں اس مکتوبِ گرامی کو بھی بطور تبرک اپنے ان نقوش میں شامل کرنا چاہتا ہوں:

''مکرمی الحاج .... دامت مکارمکم۔ بعد سلام مسنون کئی دن ہوئے گرامی نامہ مرسلہ از مسافر خانہ بمبئی موصول ہو کر موجب منت ہوا جس میں حجاز مقدس تشریف بری کی اطلاع سے بہت مسرت ہوئی یہ ناکارہ دعا کرتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے اس مبارک سفر کو نہایت راحت و آرام کے ساتھ پورا فرما کر حج و زیارت کو قبول فرمائیں اور دارین کی ترقیات کا ذریعہ بنائیں۔ اس ناکارہ کو بھی اپنی مبارک دعاؤں میں شامل فرما لیں اور بشرط سہولت و یاد ''مدینہ پاک'' میں روضہ اقدس کی حاضری کے وقت اس سیہ کار کی طرف سے بھی بحضور سید البشر علیہ افضل الصلوٰت والسلام و بحضور حضرت الشیخین رضی اللہ عنہما سلام عرض کر دیں۔ میرا مخلصانہ مشورہ یہ

---

[1] جب یہ سفرنامہ لکھا گیا تھا تو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوری مہاجر مدنی بقید حیات تھے۔ آپ کا وصال ''مدینہ منورہ'' میں یکم شعبان ۱۴۰۲ھ موافق ۲۴ مئی ۱۹۸۲ء میں ہوا۔ ''جنت البقیع'' میں مدفون ہوئے۔ (محب الحق)

ہے کہ اگر کچھ وقت جماعت تبلیغ کے ساتھ بالخصوص مولانا عبید اللہ صاحب اور مولانا سعید خاں صاحب کے ساتھ گذارا جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ دینی حیثیت سے زیادہ مفید ہوگا۔ حضرت اقدس رائے پوری[1] دام مجدہم کی طبیعت بحمد اللہ اچھی ہے کوئی خاص بات زیادتی کی نہیں ہے۔ (مولانا) علی میاں کا خط بندے[2] کے پاس آیا تھا آخر اپریل یا شروع مئی میں یہاں سہارنپور اور رائے پور تشریف بری کا ارادہ لکھا تھا مولانا (محمد) منظور صاحب آج کل ایک تبلیغی اجتماع میں (بستی) نظام الدین کی جماعت کے ساتھ آسنسول گئے ہوئے ہیں۔ والسلام زکریا، مظاہر علوم ۶/ذی قعدہ ۱۳۸۰ھ ''

شیخ عبد اللہ زمزمی: بعد عصر اکثر شیخ عبد اللہ زمزمی کی خدمت میں تھوڑی دیر کے لیے جاتا رہتا تھا ان کے والد شیخ غلام محمد مرحوم لاہور کے رہنے والے تھے۔ یہ غالباً ''مکہ معظمہ'' میں پیدا ہوئے ہیں فضلاء ''مکہ'' سے تعلیم دین کی تکمیل کی۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی[3]

---

[1] جب یہ سفرنامہ لکھا گیا تھا تو حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ بقید حیات تھے۔ ڈھڈیاں جو کہ آپ کا مولد اور وطن تھا اسی کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ یہ آفتابِ رشد و ہدایت و علم اسی کے آغوش میں سپرد رحمت کیا جائے۔ چنانچہ آپ کا وصال ۱۴/ربیع الاول ۱۳۸۲ھ موافق ۱۶/اگست ۱۹۶۲ء میں ہوا اور ڈھڈیاں ہی آپ کی ابدی آرام گاہ بنی۔ [2] مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کا وصال ۲۲/رمضان ۱۴۲۰ھ موافق ۳۱/دسمبر ۱۹۹۹ء میں ہوا اور دائرہ شاہ علم اللہؒ رائے بریلی میں مدفون ہوئے۔ [3] مولانا عبید اللہ سندھیؒ مغربی پنجاب ضلع سیالکوٹ کے چیانوالی میں ۱۲/مارچ ۱۸۷۲ء ۱۲۸۹ھ میں ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ مولانا سندھیؒ نے ابتدائی تعلیم جام پور مڈل اسکول میں پائی۔ دورانِ تعلیم ''تحفۃ الہند'' اور ''تقویۃ الایمان'' کے مطالعہ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ قبول اسلام کے بعد جام پور سے سندھ چلے گئے۔ وہاں حافظ محمد صدیق کی خدمت میں رہے۔ حافظ صاحبؒ درویش کامل تھے۔ آپ نے اپنی ذاتی ڈائری میں لکھا ہے کہ ''حافظ صاحبؒ کی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ اسلامی معاشرت میری طبیعت ثانیہ بن گئی۔'' ابتدائی فارسی عربی اور دیگر فنون کوٹلہ رحم شاہ اور دین پور میں حاصل کی۔ بقیہ علوم کی تحصیل کے لیے مرکز علوم دار العلوم میں ۱۳۰۶ھ میں داخلہ لیا۔ ۱۳۰۷ھ میں دورہ حدیث میں شریک ہوئے، تکمیل نہ ہو سکی، سندھ چلے گئے۔ ۱۳۱۵ھ میں شیخ الہندؒ سے حدیث کی اجازت حاصل کی۔............ مسلسل

سے بھی نسبت تلمذ حاصل ہے۔ علم ادب، علم تاریخ، سیرت النبیؐ، سیرت صحابہؓ، حالات عرب خصوصاً ''تاریخ مکہ'' پر بڑا عبور ہے۔ ''مناسک حج'' پر بھی ایک کتاب تالیف فرما رہے ہیں، اردو بھی بڑے دل آویز عربی لہجے میں بولتے ہیں، کبھی کبھی دوران گفتگو میں ان پر جذب وکیف کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ بڑے قانع اور متوکل ہیں۔ عقیدت مند لوگ جو کچھ مالی خدمت کرتے ہیں وہ غریبوں اور اپنے ملنے والوں پر خرچ کر دیتے ہیں۔ پانچوں وقت کی نمازیں اہتمام کے ساتھ ''مسجد الحرام'' میں ادا کرتے ہیں۔ رات کو بعد عشاء ''مضافاتِ مکہ'' کی کسی نہ کسی وادی میں چلے جاتے ہیں۔ بعد نماز فجر اپنے حجرے میں موجود رہتے ہیں جہاں ملنے والے ہر وقت آتے رہتے ہیں۔ کسی زمانہ میں مدرسہ عزیزیہ میں مدرس تھے کبھی کتب خانہ ''مسجد الحرام'' کے ناظم بھی رہے ہیں۔ اب کہیں ملازم نہیں مجھے ایک معتبر شخص نے بتایا کہ ان کو حکومت سعودیہ کی طرف سے ہزار ریال ماہانہ کی ایک ملازمت مل رہی تھی مگر انھوں نے قبول نہیں فرمایا اگر کسی اہل خیر کو مستحقین مکہ کو امداد پہنچانی ہوتی ہے تو یہ امداد رسانی کا بہترین ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔ خود غریبوں کے گھروں پر پہنچ

مسلسل......... مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے ابوداؤد پڑھی۔ سیاسی امور میں حضرت شیخ الہندؒ کے معاون رہے۔ ۱۳۲۷ھ میں جمعیۃ الانصار قائم کی اور اس کے ناظم بھی رہے۔ جمعیۃ الانصار کے دو جلسے مرادآباد اور میرٹھ میں ہوئے۔ پھر حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کو دہلی بھیج دیا۔ وہاں مسجد فتح پوری کے ایک کمرے میں ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' قائم کی۔ حضرت شیخ الہندؒ کے علاوہ حکیم اجمل خاں دہلوی اور نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین امروہوی کی سرپرستی حاصل تھی۔ ۱۳۳۳ھ میں وطن کی آزادی کے لیے حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کو افغانستان بھیج دیا۔ وہاں پہنچ کر ''حزب اللہ'' کے نام سے فوج مرتب کی۔ افغانستان میں راجہ مہندر پرتاپ سنگھ کی سربراہی میں آزاد حکومت قائم کی۔ جب حضرت شیخ الہندؒ اسیر مالٹا ہوئے تو آپ روس چلے گئے۔ ۱۳۴۲ھ میں ترکی کا سفر کیا۔ ۱۳۴۴ھ میں حجاز گئے وہاں ۱۲ رسال قیام رہا۔ ۱۹۳۷ء میں کانگریس کی حکومت ہوئی تو یوپی حکومت نے آپ پر سے برطانوی دور کی پابندی کو اٹھالیا اور ۱۹۳۹ء میں ہندوستان واپس آگئے۔ زندگی کے آخری لمحات جامعہ ملیہ دہلی اور دین پور میں گزارے۔ شاہ ولی اللہؒ کے فلسفہ کے شارح تھے۔ ملک کی آزادی کے لیے ۲۵ رسال وطن سے باہر جلاوطنی کی زندگی گزاری اور اپنے ملک کو آزاد نہ دیکھ سکے۔ ۲۲ راگست ۱۹۴۴ء موافق ۱۳۶۳ھ میں دین پور میں وصال ہوا وہیں مدفون ہوئے۔ (محب الحق)

کر روپے، کپڑے وغیرہ تقسیم کرتے ہیں ان کو مکہ معظمہ کے محلوں، وادیوں، پہاڑوں اور اس کے تمام آثار قدیمہ سے بڑی واقفیت ہے۔ اپنی مجلس میں جب "تاریخ مکہ" کے جزئیات تک کا تذکرہ کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "قدیم مکہ" کو کسی دوربین کے ذریعہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ آب زمزم، ملتزم اور شب مزدلفہ کے فضائل اور خصائص اس طریقے سے بیان فرماتے ہیں کہ یقین تازہ ہو جائے۔ بعد حج ایک دن فرمایا کہ شب مزدلفہ (۹/ذی الحجہ گزار کر آنے والی رات) تو اب اگلے برس آئے گی البتہ زمزم و ملتزم اس وقت بھی میسر ہیں ان سے فیوض وفوائد حاصل کر لیے جائیں۔ ملتزم کے متعلق تو اپنے اوپر گزرا ہوا واقعہ ایک دن سنایا کہ میں ایک مرتبہ اپنے ایک مقصد کے حصول کے لیے دعا کرنے کے لیے پورے یقین کے ساتھ ملتزم کے پاس پہنچا ہوں کہ آثار قبولیت نمایاں ہو گئے۔ علاوہ ہندوستان و پاکستان کے جاوی اور افریقہ کے لوگ ان سے بہت تعلق رکھتے ہیں۔ ایک دن امریکہ کے ایک مبلغ ان کے یہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ مولانا اختر شاہ خاں[1] صاحب سنبھلی اور ان کے رفیق حاجی امام الدین مالیگاوی بھی اکثر وبیشتر شریک مجلس زمزمی ہوتے تھے۔ حاجی امام الدین نے تلخیص سفرنامہ حاجی رفیع الدین مرادآبادیؒ اور ترجمہ

---

[1] مولانا اختر شاہ خاں سنبھلی۔ آپ سرائے ترین سنبھل ضلع مرادآباد کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ شمس العلوم سرائے ترین سنبھل میں حاصل کی۔ بقیہ علوم کی تکمیل مرکز علوم دارالعلوم دیوبند میں کر کے ۱۳۶۰ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ سے خصوصی استفادہ کیا۔ فراغت کے بعد قصبہ یوسف پور محمد آباد ضلع غازی پور سے درس کا آغاز ہوا۔ چند سال کے بعد حضرت مدنیؒ کے مشورے سے معہد ملت مالیگاؤں میں صدر مدرس کے عہدے پر مقرر ہوئے۔ جب دورۂ حدیث کا افتتاح ہوا تو شیخ الحدیث کی مسند کو رونق بخشی ۔ سنہ ۱۳۸۰ھ میں مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں مدرس دوم اور ایک سال بعد شیخ الحدیث بنائے گئے ۔ سنہ ۱۳۸۳ھ میں مدرسہ امدادیہ سے مستعفی ہو گئے۔ رمضان ۱۳۸۳ھ میں مدرسہ شاہی مرادآباد میں علیا کے مدرس ہوئے۔ مفتی واحد رضا صاحبؒ کے مستعفی ہونے کے بعد مولانا سید فخرالدین احمد سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی ایما پر افتاء کی ذمہ داری تفویض ہوئی ۔ سنہ ۱۳۸۳ھ سے ۱۳۸۸ھ تک افتاء کے ساتھ ترمذی شریف کا درس بھی دیتے رہے۔ آپ کا وصال ۴/ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ موافق ۲۲ر فروری ۱۹۶۹ء میں ہوا۔ جنازہ مرادآباد سے سنبھل لے جایا گیا۔ وہیں آبائی قبرستان میں سپرد رحمت کیے گئے۔ (محب الحق)

مکتوبات خواجہ معصومؒ کو اپنے پاس سے شیخ زمزمی کی خدمت میں ہدیۃً پیش کر دیا تھا۔ ترجمۂ مکتوبات کو انھوں نے اپنے ایک افریقی دوست کو دے دیا اور مجھ سے فرمایا شیخ! میں نے اس ترجمے کو بہت دور پہنچا دیا ہے۔ ایک مرتبہ انھوں نے مجھے شریک طعام کیا اور ''معمول'' تو سب اہل مجلس کے ساتھ کئی مرتبہ کھلائے ''معمول'' غالباً میدے کے سموسے ہوتے ہیں جن میں اندر کھجوریں بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ فرماتے تھے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا یہ معمول تھا کہ وہ اس قسم کا پکوان ''منیٰ'' میں اپنے ساتھ بطور توشہ لے جاتے تھے اور یہی اس کی وجہ تسمیہ ہے۔ عربی اشعار بھی بہت یاد ہیں ایک دن چند شعر اپنے مخصوص لہجے میں بڑے ذوق وشوق کے ساتھ پڑھے جن کو میں نے لکھ لیا تھا جب حضرت مولانا اعظمی مدظلہ ان کی مجلس میں بیٹھے ہوتے تو اس وقت ان کی مسرت اور جوش کا عالم نہ پوچھئے۔ حضرت مولانا سے کبھی عربی میں گفتگو کر رہے ہیں کبھی اردو میں۔ حافظہ بڑا زبردست ہے کتابوں کی عبارتیں کی عبارتیں حفظ ہیں۔ حضرت مولانا سندھیؒ کی علمیت اور روحانیت کا بار بار تذکرہ فرماتے ہیں۔ حضرت مولانا اعظمی مدظلہ سے بھی بہت متاثر ہیں۔ ایک مرتبہ ان کی عدم موجودگی میں دیر تک ان کا تذکرہ اور تعریف فرماتے رہے۔ اور فرمایا کہ مولانا اعظمی اس دور میں سید العلماء اور تاج العلماء کے لقب سے یاد کئے جانے کے لائق ہیں۔

ذی الحجہ کے شروع میں دارالعلوم ندوہ لکھنؤ کے معلم قرآن حافظ محمد اقبال صاحب[1]

---

[1] حافظ محمد اقبال گونڈوی۔ آپ مضافات گونڈہ کے کرم ڈیہہ کے رہنے والے تھے۔ وہیں ۱۳۳۵ھ موافق ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی ۱۹۲۹ء میں بہرائچ کے اسکول میں داخل کرا دیا۔ کچھ دنوں کے بعد گونڈہ چلے آئے۔ عصری تعلیم سے بالکل مناسبت نہ تھی۔ والد صاحب اور دوسرے بزرگوں کے مشورے سے ۱۹۳۲ء میں لکھنؤ گئے۔ مدرسہ عالیہ فرقانیہ میں داخلہ لیا اور حفظ شروع کیا۔ حفظ قرآن کی تکمیل قاری عبدالوہابؒ سے مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں کی۔ آپ اوقات کے پابند تھے۔ فراغت کے بعد مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے شعبہ حفظ میں استاذ مقرر کر لیے گئے۔ پھر دارالعلوم ندوہ لکھنؤ کے شعبہ حفظ میں تقرر ہوا۔ ایک عرصے کے بعد پھر مدرسہ فرقانیہ گونڈہ واپس آ گئے۔ منازل سلوک مولانا محمد منظور نعمانیؒ سے طے کیں اور مجاز بیعت قرار پائے۔ ۲۶ رجب ۱۴۲۹ھ موافق ۳۰ جولائی ۲۰۰۸ء میں وصال ہوا۔ گونڈہ ہی میں مدفون ہوئے۔ (محب الحق)

حج کے لیے آئے ہیں۔ اپنے ہمراہ میرے لیے حضرت مولانا نعمانی مدظلہ کا گرامی نامہ اور ان کا ایک گرانقدر ہدیہ لائے ہیں۔ ڈاکٹر زین العابدین ندوی کے مطب میں ان کا قیام ہے۔ ڈاکٹر ندوی صاحب سے بھی دو ایک مرتبہ سرسری ملاقات ہوئی۔

حافظ محمد اقبال صاحب نے وقت ملاقات غم انگیز لہجے میں فرمایا کہ حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب[1] کے انتقال کی خبر میں نے "جدے" میں سنی ہے۔ چونکہ حافظ صاحب نے وثوق کے ساتھ اس خبر کو بیان نہیں کیا تھا اس لیے لکھنؤ کو تعزیت نامہ بھیجنا احتیاط کے خلاف سمجھا۔ بعد کو معتبر ذرائع سے اس خبر کی تصدیق ہوگئی۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی شخصیت کیا بلحاظ علم و عمل اور کیا بلحاظ اخلاق و عادات حسنہ ایک عظیم اور بلند پایہ شخصیت تھی اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ (آمین)

علاوہ بہت سے صدقات جاریہ کے ان کے خیر جاری میں ان کی اولاد خصوصاً ولد صالح مولانا محمد میاں[2] زید مجدہم تو ہیں ہی ان کے برادر خورد مولانا علی میاں مدظلہ بھی ہیں۔ ان

---

[1] مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی رائے بریلویؒ کی ولادت ۲۲ر جمادی الاولی ۱۳۱۱ھ موافق یکم دسمبر ۱۸۹۳ء کو فتح پور ہسوہ میں ہوئی۔ جو ان کا مادری وطن تھا۔ آپ کے والد مولانا حکیم سید عبدالحیؒ مصنف "نزہۃ الخواطر"۔ اور آپ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے برادر اکبر تھے۔ ہسوہ ہی میں بسم اللہ خوانی کے بعد مولانا عبدالحکیم کیرانویؒ سے قرآن پاک اور اردو کی کتابیں پڑھیں اور وہاں ہی ابتدائی فارسی بھی پڑھی۔ آپ کا زیادہ وقت اپنے دادا حکیم فخرالدین خیالیؒ کے پاس گزرا۔ اس کے بعد دارالعلوم ندوہ میں تعلیم حاصل کی۔ حسین ابن محسن یمانیؒ سے آمد لکھنؤ پر اجازت حدیث حاصل کی پھر ۱۳۲۹ھ موافق ۱۹۱۱ء میں مرکز علوم دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ وہاں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن محدث دیوبندیؒ اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ سے حدیث کی تکمیل کی۔ طب کی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ کنگ جارج میڈیکل کالج میں داخلہ لیا۔ وہاں سے ایم. بی. بی. ایس. کی ڈگری حاصل کی۔ بعدہ دہلی جا کر حکیم محمد اجمل خاں کے مجربات سے فائدہ اٹھایا اور ساتھ ہی ڈاکٹر مختار احمد انصاری سے ایلو پیتھک میں استفادہ کیا۔ بیعت کا تعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے تھا۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جب بغرض علاج ۱۹۳۸ء میں لکھنؤ تشریف لے گئے تو اپنے چالیس روزہ قیام میں کسی کے مکان پر نہیں گئے لیکن ڈاکٹر صاحب کے مکان پر از خود تشریف لے گئے۔ دارالعلوم ندوہ کے تیس سال تک ناظم رہے۔ ۲۳ر ذیقعدہ ۱۳۸۰ھ ۷ر مئی ۱۹۶۱ء میں وفات ہوئی۔ [2] مولانا محمد الحسنی عرف محمد میاں بن مولانا...... مسلسل

کی تربیت جس انداز اور جس ترتیب سے ڈاکٹر صاحب نے فرمائی ہے وہ مستقل ایک زبردست دینی ومذہبی شاہکار ہے۔

ڈاکٹر صاحب مغفور سے میری سرسری ملاقات تو کئی مرتبہ ہوئی لیکن وفات سے تقریباً ایک سال پیشتر ایک ملاقات میں جو تفصیلی بھی تھی اور آخری بھی۔ ڈاکٹر صاحب کو میں نے بہت قریب سے دیکھا تھا اس وقت بھی وہ علیل تھے ان کی پُر خلوص تواضع، ان کی علمی گفتگو، ان کا محبت آمیز بزرگانہ اخلاق آج تک میرے قلب پر مترسم ہے۔ اب ایسے صاحب نظر اور دیدہ ور کہاں پیدا ہوتے ہیں۔

ہمارے مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کے مہتمم مولانا اعجاز حسنین[1] صاحب امروہی بھی ''مکہ معظمہ'' آ گئے ہیں۔ حضرت شاہ بہاء الدین نقشبندی امروہی[2] کے

مسلسل..... ڈاکٹر سید عبدالعلیؒ۔ آپ عربی اور اردو کے بلند پایہ ادیب اور انشاپرداز تھے۔ ماہنامہ ''البعث الاسلامی'' کے مدیر اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ کی تالیفات میں سیرت مولانا محمد علی مونگیریؒ، تذکرہ شاہ علم اللہ رائے بریلویؒ، روداد چمن اور الاسلام الممتحن ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا علی میاںؒ کی متعدد کتابوں کے اردو میں ترجمے کیے جن میں السیرۃ النبویہ کا اردو ترجمہ نبی رحمت ہے۔ ۱۴ر جون ۱۹۷۹ء کو وصال ہوا۔ وفات کے وقت عمر صرف ۴۴ رسال تھی۔ (محب الحق)

[1] مولانا سید اعجاز حسنین کاظمی۔ آپ محلہ ملانہ، امروہہ کے رہنے والے تھے۔ ابتداء سے انتہاء تک تمام علوم متداولہ کی تحصیل وتکمیل مولانا سید معظم حسنینؒ کے اہتمام میں جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں کی۔ مولانا سید رضا حسن امروہیؒ اور مفسر قرآن مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی امروہیؒ کے مخصوص شاگردوں میں سے تھے۔ فراغت کے بعد جامعہ ہی میں درس وتدریس کا آغاز کیا۔ آپ ایک کامیاب مدرس تھے۔ مشکوٰۃ شریف زیر درس رہی۔ حضرت حافظ عبدالرحمٰنؒ کے مشورہ کے بعد اہل شوریٰ نے پہلے نائب مہتمم بعدہٗ اہتمام کے منصب کی ذمہ داری تفویض کی۔ تقریباً پچاس سال تک اہتمام کی ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دے کر ۲۱رر مضان ۱۴۰۶ھ موافق ۲۶ رمئی ۱۹۸۶ء میں وصال ہوا۔ [2] شاہ بہاء الدین نقشبندی امروہی مہاجر مکیؒ۔ آپ محلہ ملانہ، امروہہ کے رہنے والے تھے۔ شاہ امین اللہؒ کے صاحبزادے تھے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالرحمٰن شاہجہانپوریؒ خلیفۂ حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلویؒ سے بیعت تھے۔ منازل سلوک طے کر کے خرقۂ خلافت حاصل کی۔ ۳۷ رمرتبہ حج وزیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت محدث امروہیؒ اور جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ سے خاص تعلق تھا۔ حضرت محدث امروہیؒ کے اشاعت تعلیم میں معاون رہے۔ آپ کی ذات گرامی سے صدہا لوگوں کو روحانی فیض..... مسلسل

صاحبزادے حکیم اعزاز الدین صاحب[1] کے مکان پر مقیم ہیں۔ ان کے ہمراہ منشی فریدالدین صاحب سنبھلی، منشی نبی عباس صاحب امروہی اور سنبھل کے ایک پیر جی بھی ہیں۔ ان پیر جی کے اندر خدمت رفقاء کا قابل تعریف جذبہ ہے۔

۸؍ذی الحجہ کو بس میں بیٹھ کر ''منیٰ'' گئے وہاں سے ''عرفات'' پہنچے۔ مولانا حکیم محمد احسن صاحب ان دنوں علیل تھے۔ ''منیٰ'' کے لیے روانہ ہونے سے پہلے کچھ وصیت آمیز کلمات بھی مجھ سے فرمانے لگے۔ ایام حج کے بعد علالت نے بہت شدت اختیار کر لی تھی اور یہ شدید علالت ''مکہ'' سے روانگی تک رہی۔ تبلیغی جماعت کے رفقاء خصوصاً مولانا عبیداللہ صاحب مدظلہ ان کے پاس عیادت کے لیے آتے رہے۔ یونانی اور ڈاکٹری علاج ہوتا رہا۔ ان کی طرف سے بڑی تشویش ہوگئی تھی۔ مگر ان کے چہرے پر تمام ایام علالت میں آثار اطمینان نمایاں رہے۔ بڑے صبر و شکر کے ساتھ اس دور کو گذارا۔ روانگی سے چند روز پہلے بحمدللہ ان کی صحت بحال ہوگئی تھی۔ اللہ تعالیٰ مع متعلقین ان کو صحت و عافیت سے رکھے۔ باوجود نقاہت کے حکیم صاحب ''عرفات'' سے ''مزدلفہ'' اور ''مزدلفہ'' سے ''منیٰ'' پھر ''منیٰ'' سے ''مکہ معظمہ'' پیدل چل کر پہنچے۔ میں بھی اپنے قافلے کے چند افراد کے ساتھ پیدل ہی واپس ہوا تھا۔ ۱۱؍ذی الحجہ کو ''مکہ معظمہ'' آ کر طواف زیارت کیا اور کرایے کی ٹیکسی میں بیٹھ کر آنا اور جانا ہوا۔ ۱۲؍تاریخ کو رفقاء کے ساتھ ''رمی جمار'' کرنے گیا۔ کثرت ہجوم کے باعث ساتھیوں سے بچھڑ گیا اور بڑی مشکل سے اور بہت دیر میں تینوں ''جمروں'' کی ''رمی'' سے فراغت ہوئی۔ ماسٹر علاء الدین صاحب اس محشر نما مجمع عظیم میں مجھے ڈھونڈتے

مسلسل...... پہنچا۔ بابائے طب مولانا حکیم فرید احمد عباسی امروہیؒ آپ کے خلیفہ تھے۔ ''مکہ معظمہ'' کی ہجرت کر لی تھی۔ دو تین سال میں امروہہ آنا ہوتا تھا۔ ۱۳۳۰ھ میں امروہہ آنا آخری ثابت ہوا اور ۶؍ربیع الاول ۱۳۳۰ھ میں امروہہ میں وصال ہوا اور یہیں سپرد رحمت کیے گئے۔

[1] حکیم اعزاز الدین مکیؒ۔ شاہ بہاء الدین صاحب نے دوسری شادی مکہ میں کی تھی۔ ان اہلیہ سے آپ تھے۔ آپ کا وصال ''مکہ معظمہ'' میں فروری ۱۹۶۲ء میں ہوا۔ جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے۔ (محب الحق)

رہے۔ بالآخر وہ خیمے میں چلے گئے میں راستہ بھول گیا اور کئی گھنٹے کے بعد سنبھل کے ایک صاحب کی رہنمائی میں (جو پاکستان سے حج کرنے آئے تھے وہ مجھ سے بالکل واقف نہیں تھے) عبیدالرحمٰن معلّم کے خیموں تک پہنچا۔ اس وقت خیمے اُکھڑ رہے تھے اور ساتھی میرا شدید انتظار کر رہے تھے۔

ایام حج میں ''عرفات و منیٰ'' کے اندر ہندوستان اور پاکستان کے سفارت خانوں کی طرف سے ڈاکٹروں کے کیمپ تھے۔ پاکستان کی طرف سے جگہ جگہ برف کے پانی کی سبیلیں لگی ہوئی تھیں بلکہ بس میں برف کا ذخیرہ رکھ کر حاجیوں میں برف بھی تقسیم کیا گیا۔ ''جدّہ'' میں بھی آتے جاتے وہاں کی ٹھنڈے پانی کی سبیلیں دیکھیں اور ان سے سیراب ہونے کا موقع ملا۔ ''منیٰ'' میں ہندوستانی سفارت خانے کے ذمہ دار آفیسر گشت لگا لگا کر حاجیوں کے حالات معلوم کرتے تھے۔ ہمارے خیمے کے قریب بھی رات کو چند حضرات خبر گیری کے لیے آئے اور کہا کہ اگر کوئی بیمار ہو اور شفا خانے تک پیدل نہ پہنچ سکتا ہو تو اس کے لیے ہماری طرف سے موٹر کا انتظام کر دیا جائیگا۔ ایام حج میں ''عرفات و منیٰ'' میں گرمی تھی ضرور مگر معلوم ہوا کہ سال گزشتہ کے مقابلے میں کم ہے۔ بعد کو سنا گیا کہ ہندوستان کے اخبارات میں گرمی کا بڑا چرچا ہوا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ہندوستان کے اندر مئی، جون کے مہینوں میں جس قدر گرمی سے دوچار ہونا پڑتا ہے حجاز میں وہ بات محسوس نہ ہوئی۔ پندرہ سولہ دن ''مدینہ منورہ'' میں نہایت ٹھنڈے اور خوشگوار ملے۔ ''مکہ معظمہ'' میں گرمی کے اوقات ''مسجد الحرام'' کے دالانوں اور نئی سعودی عمارت میں گذارتے رہے۔ البتہ دوپہر کو دھوپ بہت تیز ہوتی تھی اور لو بھی خوب چلتی تھی مگر دھوپ کی شدت اور لو کے تھپیڑوں سے بہت کم واسطہ پڑا۔ شدت گرما کے زمانے میں بھی رات بڑی خنک ہوتی تھی۔ ایک دن رات کو لو کا جھونکا ضرور آیا تھا۔ لیکن لو کے زمانے میں تو ہندوستان میں کئی دن تک راتوں کو لو کا مزہ چکھنا پڑتا ہے۔

مسجد صولتیہ میں تبلیغی اجتماعات: حج سے فارغ ہو کر تبلیغی کام کرنے والوں کے غیر معمولی اجتماع ''مکہ معظمہ'' میں ہوتے رہے۔ ''مسجد صولتیہ'' میں ایک بڑا عمومی اجتماع ہوا۔ اس کے چند روز بعد ایک خصوصی اجتماع ہوا ان دونوں اجتماعوں میں شرکت ہوئی۔ خصوصی اجتماع میں ہندوستان، پاکستان، مصر، شام، حلب، سوڈان نیز حجاز کے علماء اور خواص شریک ہوئے۔ مولانا محمد عمران خاں صاحب[1] بھوپالی مدظلہ سے بھی ایک اجتماع میں ملاقات ہوئی۔ مولانا عبدالجبار صاحب سے بھی (جو پاکستان ریڈیو پر تفسیر قرآن کی خدمت انجام دیتے ہیں) ایک اجتماع میں ملنے کا اتفاق ہوا۔ حج سے پہلے بھی ایک عظیم اجتماع سید مزروقی صاحب معلم کے مکان پر ہوا تھا اور اس میں ''مکہ و مصر'' کے علماء کثیر تعداد میں شریک ہوئے تھے۔ مزروقی صاحب حکومت سعودیہ کی طرف سے کاتب عدل (رجسٹرار) ہیں۔ تبلیغی کام سے بہت دلچسپی رکھتے ہیں ان کی موثر تبلیغی کششوں کے لیے وقف ہے۔ ان

---

[1] مولانا محمد عمران خاں ندوی بھوپالیؒ۔ آپ بھوپال صوبہ مدھیہ پردیش کے رہنے والے تھے۔ وطن میں حفظ قرآن کے بعد فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھ کر ۱۹۲۶ء میں دارالعلوم ندوہ لکھنؤ میں داخلہ لیا۔ ۵/سال کی مدت میں تمام علوم متداولہ کی تحصیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ ندوہ میں جمعیۃ الاصلاح کے ناظم رہے۔ بعدہ جامعہ ازہر مصر میں بھی پڑھا۔ انتظام و انصرام کی اچھی صلاحیت رکھتے تھے۔ مولانا سید محمد سلیمان ندویؒ کی ایماء پر ندوہ کا نائب اہتمام سپرد ہوا۔ ایک سال کے بعد ۱۹۳۱ء میں قائم مقام مہتمم کے منصب پر فائز ہوئے۔ اس منصب پر ۱۹۵۸ء تک رہے۔ آپ کے دور اہتمام میں ندوہ میں کافی ترقی ہوئی۔ پھر اپنے وطن چلے گئے۔ وہاں آپ کا عظیم کارنامہ ''تاج المساجد'' کی تکمیل ہے۔ یہ عظیم الشان مسجد شاہ جہان بیگم والیہ بھوپال کی تعمیر اور یادگار ہے جو اپنی وسعت اور رقبہ میں لاہور کی شاہی مسجد جس کی تعمیر اورنگزیب عالمگیرؒ نے کرائی تھی، کے بعد ہندوستان کی سب سے وسیع اور عظیم مسجد تھی۔ بیگم صاحبہ کی وفات اور بعض موانع کی وجہ سے اس کی تکمیل نہ ہو سکی۔ آپ کی جدوجہد سے یہ مسجد مکمل ہوئی اور اس کے ساتھ دارالعلوم تاج المساجد بھی قائم کیا۔ دوسرا عظیم کارنامہ بھوپال کا عالمی تبلیغی اجتماع بھی آپ کا مرہون منت ہے جو اب تک جاری ہے۔ تیسرا عظیم کارنامہ ندوہ کا وہ عظیم الشان ۸۵/سالہ تعلیمی اجلاس ہے جو ۱۹۷۵ء میں شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود کی صدارت میں ہوا تھا۔ اس میں ممالک عربیہ کے علاوہ یوگنڈا، روس، ایران، تھائی لینڈ، نیپال، مشرقی افریقہ اور بنگلہ دیش کے نمائندوں نے شرکت کی تھی۔ منازل سلوک حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی نقشبندی بھوپالیؒ سے طے کیں۔ ۱۸/اکتوبر ۱۹۸۶ء میں بھوپال میں وفات ہوئی۔ وصیت کے مطابق شاہ محمد یعقوب مجددیؒ کے جوار میں جہانگیر آباد بھوپال میں تدفین ہوئی۔ (محب الحق)

کے نوجوان صاحبزادے کو بھی تبلیغی کام سے بہت شغف ہے۔ دفتر صولتیہ میں تبلیغی کاموں کی شرکت کے لیے برابر آمد ورفت رکھتے ہیں۔

مولانا یحییٰ امان حنفی: بعد ایام حج تبلیغی رفقاء شہر کے علماء وفضلاء سے خصوصی ملاقاتیں کرنے کے لیے روزانہ بعد عصر جاتے تھے۔ میں کہیں نہ جا سکا البتہ مولانا یحییٰ امان حنفی کو مدرسہ صولتیہ میں خصوصی دعوت پر ایک مختصر سے اجتماع میں ایک دن مدعو کیا تھا۔ وہاں ان سے ملاقات ہوئی یہ حنفی مسلک کے بلند پایہ صاحب تصنیف عالم ہیں۔ ان سے مل کر اور ان کی بلند معیار علمی گفتگو سن کر طبیعت کو بڑی خوشی حاصل ہوئی۔

مزار حضرت عبداللہ بن عمرؓ: دو مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مزار پُر انوار کی زیارت سے مشرف ہوا۔ ''مقام فخ'' میں آپ کا مزار ہے۔ اس کے قریب ہی شہداء کی مسجد ہے جو تبلیغی کام کرنے والوں کا مرکز ہے۔

شہداء میں ہفتہ واری اجتماع: شہداء کی مسجد میں جو غالباً ''وادیٔ فخ'' ہی میں ہے جمعرات کو بعد نماز مغرب ہفتہ واری اجتماع بڑا روح پرور اور قابل دید ہوتا ہے۔ رات کو بھی وہیں قیام ہوتا ہے دوسرے دن بعد نماز اشراق واپسی ہوتی ہے۔ مولانا عبیداللہ صاحب، مولانا سعید خاں صاحب، حاجی غلام رسول مالیگاوی، حاجی فضل عظیم مرادآبادی[1] اور مصر کے ایک بہترین مقرر وعالم شیخ سعید بنا اس مجمع کی خاص طور پر نگرانی رکھتے تھے۔ ایک طرف عرب کے جدید تعلیمیافتہ نوجوان اور انگریزی خواں طبقے کا اجتماع ہوتا تھا اس کی تنظیم مولانا افتخار فریدی مرادآبادی ہندوستان کے انگریزی خواں حضرات کے ذریعہ کرتے تھے۔ دراصل انگریزی خواں مبلغین کے ذریعہ بھی بڑا کام انجام پاتا ہے۔

عرب میں کام کی ضرورت: عرب جدید تقاضوں خصوصاً افراط زر کے باعث

---

[1] حاجی فضل عظیم مرادآبادی مرحوم۔ آپ مرادآباد کے رہنے والے تبلیغی جماعت کے اہم ارکان میں سے تھے۔ اچھا کاروبار بھی تھا۔ اسی کے ساتھ تبلیغ کے لیے برابر سفر کرتے اور جدوجہد بھی کرتے تھے۔ (محب الحق)

مادیت کی تعلیم کی طرف مائل ہے۔ ابھی وہ اس جال میں نوگرفتار ہے اس کی مضرتوں کو اسے اندازہ نہیں ہے مگر مادی ترقی کی اس دوڑ میں جدید تعلیم پانا بھی لابد ہے۔ عقائد کے لحاظ سے عرب کا بچہ بچہ توحید پرست اور موحد ہے وہ پابندیٔ سنت کا بھی عمل کے لحاظ سے اگر چہ کم لیکن زبان وقلم سے بہت زیادہ اظہار کرتے ہیں۔ شرک و بدعت اور کمیونزم کا اندیشہ وہاں کچھ بھی نہیں ہے البتہ نصاریٰ اور یہود کی سیاسی ریشہ دوانیاں، چالاکیاں اور در پردہ ملت اسلامیہ کے خلاف سازشیں عالم اسلامی میں بالعموم اور حجاز میں بالخصوص نہایت ہوشیاری کے ساتھ تعلیم وتمدن کے راستے سے بالواسطہ ہو رہی ہیں۔ تہذیب مصر کی آمیزش سے بعض عرب لڑکیوں میں چلتے پھرتے جو مغربیت کی جھلک نظر آئی اس سے دل کو جو صدمہ پہنچا اس کو میں بیان نہیں کرسکتا۔

سعودی حکومت کے تمام محکمے دیانتدار ہیں، خوب کام کرنے والے اور فرائض منصبی کو انجام دینے والے ہیں مگر معلوم نہیں کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا محکمہ تہذیب اسلامی اور معاشرت ملی کے بارے میں اپنی بیدار مغزی اور احساس دینی کا کما حقہ عملی ثبوت کیوں نہیں دے رہا ہے۔ میں اپنی دعاؤں میں حجاز کے باشندوں کو خاص طور پر یاد رکھتا تھا اور ان کے دینی اور ملی احساس کے لیے دعا کرتا تھا۔ یہ لوگ تمام مسلمانانِ عالم کے لیے نمونہ ہیں اور ان کا مقام ایک معلّم اور استاذ کا مقام ہے۔ ان کی تہذیب وتمدن کا کوئی گوشہ اسلامی رنگ سے اگر خالی ہوگا تو اس کا تمام عالم کے مسلمانوں پر اثر پڑے گا خصوصاً عرب کے نوجوان بچے جو اسکولوں میں تعلیم پا رہے ہیں اب آگے چل کر یہ یورپ اور امریکہ میں اعلیٰ تعلیم پانے کے لیے بھی جائیں گے اگر ان کے مقام ومنصب کو یاد دلانے کے لیے کچھ جدو جہد ہوگئی تو عرب کا یہ خونِ گرم یورپ کی فضاؤں میں بھی کلمۂ توحید کا چرچا کر دے گا اور بجائے اس کے کہ مغرب سے متاثر ہو خود ان کو متاثر کرے گا۔ میں نے دیکھا کہ یہ عرب کے جدید طلباء انگریزی خواں طبقے کی بات زیادہ غور سے سنتے تھے اور چونکہ خود ابھی انگریزی

زبان کے میدان میں گھٹنوں چل رہے ہیں اس لیے مشاق انگریزی خواں مذہبی اشخاص سے متاثر ہوتے تھے ایسی صورت میں کتنے بڑے ثواب کا کام ہے کہ انگریزی کی اچھی مشق رکھنے والے ان نوجوانوں میں دینی شعور و احساس پیدا کرانے کی کوشش کریں اور ان کو ملت بیضا کے فروغ کے لیے آمادہ کریں۔ بحمدللہ اس سال یہ کام بہت سلیقے سے ہوا مگر ضرورت ہے کہ زیادہ سے زیادہ علوم جدیدہ وقدیمہ کے جامع، اچھی انگریزی بولنے والے اور دینی تڑپ رکھنے والے حضرات وہاں کچھ عرصے رہ کر کام کریں۔

حکیم عین الحسن کاندھلوی مرحوم: ذی الحجہ کی ۲۸ تاریخ کو اتوار کے دن حکیم عین الحسن صاحب کا انتقال ہوگیا۔ حکیم صاحب ''کاندھلہ'' کے مشہور و معروف مذہبی احساس والے خاندان کے ایک فرد اور حضرت مولانا احتشام الحسن کاندھلوی[1] مدظلہ کے برادر زادہ تھے۔ بڑے خوش طبع، ہنس مکھ اور متواضع انسان تھے، بڑے خوش قسمت تھے کہ لاکھوں فرزندانِ توحید نے ان کی نمازِ جنازہ ''مسجد الحرام'' میں پڑھی اور ''جنت المعلیٰ'' میں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہؒ کے قریب دفن ہوئے۔

---

[1] مولانا احتشام الحسن صدیقی کاندھلویؒ۔ آپ مغربی یو۔ پی۔ کے مشہور آفاق قصبہ کاندھلہ کے رہنے والے تھے۔ وہیں ۱۶؍ربیع الاول ۱۳۲۴ھ موافق ۱۱؍مئی ۱۹۰۶ء میں خانوادہ صدیقیان میں ولادت ہوئی۔ تعلیم کا آغاز کاندھلہ میں ہی ہوا اور تکمیل جامعہ مظاہر علوم میں ۱۳۴۷ھ میں ہوئی۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ، مولانا عبداللطیفؒ، مولانا عبدالشکورؒ، مولانا منظور احمد خاں اساتذہ میں تھے۔ فراغت کے بعد نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی کی ایما پر حیدرآباد گئے۔ بعدہ مولانا محمد الیاسؒ کے ارشاد پر مرکز تبلیغ میں رہ کر تبلیغی خدمات انجام دیں۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ تحریر کرتے ہیں کہ: اب سے ۳۳-۳۲ سال پہلے یہ تبلیغی کام بہت محدود پیمانہ پر تھا۔ درحقیقت اس کی کل کائنات یہ تھی کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ اپنی مضطرب روح اپنے بے چین قلب، نحیف جسم، اپنے حال اور اپنی زبان سے اس کے داعی تھے۔ ان کے تربیت یافتہ چند میواتی اس کے ہاتھ پاؤں اور مولانا احتشام الحسن صاحبؒ اس کا انتظامی دماغ تھے۔'' آپ نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے منازل سلوک طے کر کے اجازت بیعت و خلافت حاصل کی۔ درس و تدریس اور تبلیغی اسفار کے باوجود صاحب قلم بھی تھے۔ چھوٹی بڑی ۶۶ رکتابیں یادگار ہیں۔ ۱۵؍شوال ۱۳۹۲ھ موافق ۳؍دسمبر ۱۹۷۲ء میں وصال ہوا۔ (محب الحق)

شیخ عبدالوہاب[1] دہلوی: مولانا ابرار حسین فاروقی گوپاموی[2] نے علیگڑھ میں شیخ عبدالوہاب کے نام ایک خط لکھ کر مجھے دیا تھا اس کو دینے کے لیے ان کے مکان پر بعد حج گیا۔ ان سے کئی ملاقاتیں ہوئیں بہت ضعیف ہو گئے ہیں اور بیمار بھی رہتے ہیں مسلک کے لحاظ سے وہ اہل حدیث ہیں مگر بڑے کشادہ قلب اور وسیع النظر بزرگ ہیں۔ علمی ذوق و شوق ان کی رگ رگ میں پیوستہ ہے۔ ان کے پاس ایک بڑا کتب خانہ ہے۔ جس کے دیکھنے کا موقع نہ مل سکا انھوں نے مولانا ابوالکلام آزادؒ[3] اور مولانا سید سلیمان ندویؒ[4] سے اپنی

---

[1] شیخ عبدالوہاب دہلوی مہاجر مکیؒ۔ آف حاجی علی جان۔ کوچہ میر عاشق چاوڑی بازار، دہلی کے رہنے والے تھے۔ دہلی اور ''مکہ معظمہ'' میں کافی بڑا کاروبار تھا۔ اکثر دہلی سے جانے والے حجاج اپنے روپے کی تبدیلی ان کے ذریعہ کراتے تھے۔ [2] مولانا ابرار حسین فاروقی اودھ کے مردم خیز قصبوں میں گوپامؤ (ضلع ہردوئی) کو ہمیشہ سے ایک ممتاز حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہ مرکز علم وفن بہت سے علماء، ادباء، شعراء اور صحافیوں کے وطن ہونے کا شرف رکھتا ہے۔ اس کی خاک میں شیخ غلام محمد محدثؒ، مفتی شیخ آدمؒ، ملا وجیہ الدین صدیقیؒ، ملا شہاب الدینؒ، قاضی مبارک فاروقی شارح سلم العلوم، نواب محمد علی فاروقی والی ٹونک وغیرہ ہوئے ہیں۔ اسی سرزمین کی ایک علمی شخصیت مولانا ابرار حسین فاروقیؒ کی تھی۔ آپ عربی، اردو، انگریزی کے علاوہ ہندی، گجراتی اور مراٹھی زبان سے بھی واقف تھے اور صاحب تصنیف عالم تھے۔ مقابلہ نظامی وخسرو، شیر شاہ سوری ایک سپاہی بادشاہ، خدائی دربار، تحفۃ الابرار، ماثر المسیح وغیرہ ہیں۔ آپ کا انتقال ۴ر جون ۱۹۸۱ء میں ہوا۔ [3] مولانا ابوالکلام آزاد۔ آپ کی ''مکہ معظمہ'' میں ۱۷ر اگست ۱۸۸۸ء میں ولادت ہوئی۔ آپ کے والد مولانا خیر الدین عہد اکبری کے مشہور عالم شیخ جمال الدینؒ کی اولاد میں تھے۔ ۱۸۵۷ء کی تحریک کے بعد آپ کے والدین ''مکہ معظمہ'' چلے گئے تھے۔ ۸ر سال کی عمر میں والد کے ہمراہ ہندوستان آئے۔ آپ کے اساتذہ میں نذیر الحسن امیٹھوی، مرزا فراست شیرازی، طاہر بک اور مرزا محمد حسین تھے۔ کچھ والد ماجد سے بھی پڑھا تھا۔ بقیہ علوم کی تکمیل مدرسہ نظامیہ کلکتہ اور دارالعلوم ندوہ لکھنؤ میں کی۔ علوم وفنون پر عمیق نظر تھی۔ آپ نے اپنی زبان وقلم سے لاکھوں لوگوں کے دلوں میں آزادی کی شمع روشن کی۔ رسالہ ''الہلال'' کے ذریعہ ملک کے طول وعرض میں آزادی کی لہر دوڑا دی ۱۹۱۵ء میں کراچی جیل میں قید کر دیے گئے۔ وطن کی آزادی کے لیے ۱۶ر سال تک جیل کی سلاخوں کے پیچھے رہے۔ جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہے۔ لاہور اور کراچی کے اجلاس عام کی صدارت کی۔ آزادی سے قبل کانگریس کے صدر رہے۔ کوئٹ انڈیا بھارت چھوڑو تحریک ۱۹۴۲ء کی قیادت کی۔ آزادی کے بعد ہندوستان کے وزیر تعلیم ہوئے۔ تمام مصروفیتوں کے باوجود آپ بہترین ادیب اور انشاء پرداز تھے۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن کریم کا ترجمہ بنام ترجمان القرآن ہے۔ ۲۲ر فروری ۱۹۵۸ء میں وصال ہوا۔ جامع مسجد دہلی کے سامنے سپرد رحمت ہوئے۔ [4] مولانا سید سلیمان ندویؒ۔ آپ کی ولادت ۲۳ر صفر ۱۳۰۲ھ موافق ۲۲ر نومبر ۱۸۸۴ء..... مسلسل

ملاقاتوں کا بڑا تفصیلی ذکر فرمایا یہ بھی ذکر کیا کہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن عثمانی محدث[1]

مسلسل... میں دیسنہ ضلع پٹنہ میں ہوئی۔ آپ نسباً سادات حسینی تھے۔ آپ کے والد مولانا سید ابوالحسن ممتاز عالم دین تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم والد ماجد اور اپنے برادر اکبر سید ابوحبیب سے حاصل کی۔ دیگر علوم وفنون پھلواری شریف اور مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں حاصل کر کے بقیہ علوم کی تکمیل کے لیے ۱۹۰۱ء میں دارالعلوم ندوہ میں داخلہ لیا اور تمام علوم متداولہ کی تکمیل کر کے ۱۹۰۶ء میں سند فراغت حاصل کی۔ وہاں مولانا شبلی نعمانیؒ کی صحبت نے آپ کے ذوق علم وادب میں جلا بخشی۔ آپ اپنے وقت کے مفکر، دانشور، ادیب، عالم، مورخ اور ماہر تعلیم تھے۔ تمام عمر تصنیف وتالیف میں صرف ہوئی۔ ماہنامہ ''الندوہ'' لکھنؤ اور ''الہلال'' کلکتہ سے بھی متعلق رہے۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ اپنے استاذ علامہ شبلی نعمانیؒ کی ''سیرت النبی'' کی تکمیل ہے۔ خود بھی صاحب تصنیف تھے۔ ''ارض القرآن'' ''سیرت عائشہ'' ''حیاتِ شبلی'' ''خطباتِ مدراس'' ''دروس الادب'' وغیرہ بلند پایہ تصنیف ہیں۔ دارالمصنفین کے ماہنامہ ''معارف'' کے مدیر رہے ساتھ ہی خلافت کمیٹی جمعیۃ علماء ہند اور دارالعلوم دیوبند کے رکن رہے۔ جمعیۃ علماء ہند کے ساتویں اجلاس بمقام کلکتہ کی صدارت کی۔ منازل سلوک حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے طے کر کے اجازت بیعت حاصل کی۔ تقسیم ملک کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے اور وہیں ۲۲ رنومبر ۱۹۵۳ء میں سپرد رحمت ہوئے۔ [1] شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن عثمانی دیوبندیؒ۔ آپ دیوبند کے خانوادۂ عثمانی میں سے تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت بریلی میں ۱۲۶۸ھ موافق ۱۸۵۱ء میں ہوئی۔ وہاں آپ کے والد مولانا ذوالفقار علی ملازم تھے۔ ابتدائی تعلیم میاں جی منگلوریؒ سے حاصل کی۔ عربی اپنے چچا مولانا مہتاب علی سے پڑھیں۔ مسلسل..... اسی دوران ۱۵ رمحرم ۱۲۸۳ھ موافق ۳۰ رمئی ۱۸۶۶ء بروز پنجشنبہ دارالعلوم کی بنیاد پڑی۔ اس کے پہلے طالب علم آپ اور پہلے معلم ملا محمود دیوبندیؒ مقرر ہوئے۔ آپ نے تمام وفنون کی تحصیل کے بعد صحاح ستہ کی تکمیل قاسم العلوم والمعارف مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے دیوبند، میرٹھ اور نانوتہ میں رہ کر کی۔ ۱۸۷۳ء میں فراغت کے بعد دارالعلوم میں مدرسہ چہارم مقرر ہوئے۔ ترقی کرتے ہوئے ۱۳۰۸ھ میں صدر مدرس کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے اور اس منصب سے ہزاروں تشنگانِ علوم کو سیراب کیا۔ آپ کے تلامذہ میں مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ جیسے اساطین تھے۔ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اجازت بیعت دی۔ تحریک آزادی میں آپ کی خدمات اور کارنامے بے مثال ہیں۔ آپ نے اپنی جدوجہد کا آغاز ۱۸۷۸ء میں انجمن ثمرۃ التربیت قائم کر کے کی۔ پھر جمعیۃ الانصار، نظارۃ المعارف القرآنیہ اور تحریک ریشمی رومال کے ذریعہ آپ کی انقلابی سرگرمیاں ظاہر ہوئیں۔ استخلاص وطن کا ایسا منصوبہ تیار کیا تھا جس کا دائرہ ہندوستان کے علاوہ روس، جرمنی، افغانستان اور ممالک عربیہ تک پھیلا ہوا تھا۔ مگر تحریک کامیابی سے پہلے ہی ناکام ہو گئی اور ''مکہ معظمہ'' میں گرفتار کر کے مالٹا کی جیل میں مقید کر دیے گئے۔ وہاں اپنے رفقاء کے ساتھ ساڑھے چار سال قید رہنے کے بعد ۱۲ رمارچ ۱۹۲۰ء کو رہائی ہوئی۔ مالٹا کی جیل میں درس حدیث...... مسلسل

دیوبندیؒ نے ''اسارت مالٹا'' سے کچھ پہلے ''مکہ معظمہ'' میں جب بخاری شریف کا درس دیا تو میں بھی اس درس میں شریک تھا اور تقریر بخاری کو میں نے قلمبند کرلیا تھا وہ میرے پاس محفوظ ہے۔ اس کے دیکھنے کا بھی اتفاق نہ ہوسکا۔

شیخ اسماعیل دہلوی[1] سے بھی وہیں ایک دن ملاقات ہوگئی وہ بھی بڑی مہربانی اور تواضع سے پیش آئے۔ ایک دن ناشتہ بھی ان کے مکان پر کیا۔

چند کتابیں: یہاں میں ان میں سے بعض کتابوں کا ذکر بھی کروں گا جو مجھے ہدیۃً یا قیمتاً ''مکہ معظمہ'' میں حاصل ہوئیں۔

دروس من ماضی التعلیم وحاضرہ بالمسجد الحرام: یہ کتاب استاذ عمر عبدالجبار کی تالیف ہے۔ ۱۳۷۹ھ میں طبع ہوئی ہے۔ اس میں تیس چالیس سال پیشتر تک کے مدرسین ''مسجد الحرام'' کے تعلیمی و تدریسی حالات ہیں۔ بڑی دلچسپ اور اہم کتاب ہے۔ شیخ محمد سلیم مدظلہ مدیر مدرسہ صولتیہ نے اس کتاب کا ایک نسخہ مجھے ہدیۃً مرحمت فرمایا۔ اس میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کا تذکرہ بھی تفصیل کے ساتھ ہے اور مدرسین حرم میں سے جن حضرات نے مدرسہ صولتیہ میں تعلیم پائی ہے یا حضرت مولانا کیرانویؒ

مسلسل... کے علاوہ آپ کا عظیم کارنامہ ''ترجمہ قرآن بنام موضح فرقان'' ہے۔ مالٹا سے واپسی کے بعد صحت کی خرابی کے باوجود وطن کی آزادی کی مساعی جاری رہی۔ فتاویٰ ترک موالات، جامعہ ملیہ کا سنگ بنیاد، دہلی میں جمعیۃ علماء ہند کی صدارت فرمائی۔ اس سفر کے بعد آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہوجانے کے بعد بغرض علاج دہلی لے جائے گئے۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور حکیم محمد اجمل خاں کے زیر علاج رہے مگر وطن عزیز کو آزاد نہ دیکھ سکے۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ موافق ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء میں اپنے رب حقیقی سے جاملے۔ آپ کی جنازہ کی نماز علاوہ دیوبند کے دہلی، میرٹھ اور میرٹھ چھاؤنی میں بھی ہوئی۔ اور مزار قاسمی میں ہمیشہ کے لیے سپرد رحمت کردئے گئے۔

[1] حاجی محمد اسماعیل صاحب دہلوی۔ حویلی حسام الدین حیدر دہلی کے رہنے والے تھے۔ جاپان سے تجارت تھی۔ اس لیے جاپان والے مشہور ہوئے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مجاز صحبت تھے۔ تمام علماء سے اچھے تعلقات تھے۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جب بھی دلی تشریف لے جاتے تو ان سے ملاقات ضرور کرتے۔ مولانا تھانویؒ کی ایماء پر شعرانی کی کتاب ''الیواقیت والجواہر'' کا ترجمہ اردو میں مولانا محمد یوسف فقیر دہلویؒ سے کرانا شروع کیا لیکن پورا ہونے سے پہلے ہی آپ کا وصال ہوگیا۔ (محب الحق)

سے تعلیمی فیض اُٹھایا ہے ان کا بھی جگہ جگہ کثرت سے ذکر ہے۔

ایک مقام پر اس کتاب میں مدرسہ صولتیہ کے متعلق لکھا ہے:

''مدرسہ صولتیہ کے فارغ التحصیل علماء کی سب سے پہلی جماعت جب نکلی تو ''مسجد حرام'' میں حلقہ ہائے درس کی کثرت ہوگئی۔ ان فیض یافتگانِ صولتیہ نے ہر صحوہ اور ہر رواق میں اپنے تدریسی حلقے قائم کر لیے اور دیگر علماء ''مسجد الحرام'' کے درس و تدریس اور وعظ و ارشاد کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں چھوڑی۔ (ص ۱۷)''

قرۃ العین بفتاویٰ علماء الحرمین: اس ضخیم کتاب میں شیخ عبدالحفیظ بن درویش العجمی حنفیؒ ''مفتی مکہ'' (متوفی ۱۲۴۶ھ) اور شیخ محمد طاہر سنبل المکیؒ (متوفی ۱۲۱۸ھ) کے فتاویٰ درج ہیں۔ شیخ عبداللہ زمزمی نے اپنی ایک مجلس میں اس کتاب کی بڑی تعریف فرمائی تھی اور یہ فرمایا تھا کہ جب یہ کتاب شائع ہوئی ہے تو ارباب علم کے لیے عید ہوگئی تھی۔ مجھے اس کتاب کا اشتیاق پیدا ہوا اور تلاش کر کے باب العمرہ کے قریب ایک تاجر کتب سے آٹھ ریال میں خریدی۔

القریٰ لقاصد اُمّ القریٰ: یہ کتاب حافظ ابوالعباس احمد الطبری ثم المکیؒ (متوفی ۶۷۴ھ) کی تالیف ہے۔ شیخ عبدالشکور فدا کی دوکان سے اس کو دس ریال میں خریدا۔ جہاز میں اس کے مطالعہ کا موقع ملا۔ ''مناسک حج'' میں بہترین کتاب ہے۔ جگہ جگہ تاریخی اور لغوی تحقیقات بھی ضمناً آ گئی ہیں۔ اس کتاب کا تعارف بھی سب سے پہلے شیخ زمزمی نے بڑے اونچے الفاظ میں کرایا تھا۔

الدین واحج: الحاج عباس کرارہ نے اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے ہر ہر رُکن پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اسی سلسلے کی یہ کتاب بھی ایک مختصر اور جامع کتاب ہے۔

جن کو اللہ تعالیٰ نے وسعت دی تھی اور علم کا ذوق بھی رکھتے تھے ان کو ''مکہ و

مدینہ" میں کثرت سے کتابیں خریدتے ہوئے دیکھا۔ مصر و شام کی مطبوعہ نادر و کمیاب بہترین اور بلند معیار کتابیں ہر علم و فن کی یہاں ملتی ہیں۔

توسیع حرمین اور حجاز کی تعمیری ترقیات: جلالۃ الملک شاہ سعود کے عہد میں تعمیرات کا کام بلند پیمانے پر ہوا ہے اور اب بھی برابر ہو رہا ہے۔ "مسجد نبویؐ" کی توسیع کا کام تو بوجہ احسن پورا ہو گیا اب "مسجد الحرام" کی توسیع ہو رہی ہے اس میں اربوں روپیہ لگے گا اور حاجیوں کے لیے بہت آرام ہو جائے گا۔ دراصل "حرمین" میں ذوق تعمیر کا یہ مظاہرہ شاہ کے خلوص اور تعلق "حرمین" کی زندہ و پائندہ دلیل ہے۔ کاش اس کے ساتھ ساتھ روحانی ترقیات کے ذرائع بھی قرون سابقہ کی طرح حکومت وقت کے پیش نظر رہیں۔ حرم کے قریب بازاروں، مکانوں اور ہوٹلوں میں جو دن رات ریڈیو کے گانے سنائی دیتے ہیں اس سے قلب کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ تصویر کشی کا عام رواج ہو چلا ہے پوری داڑھی کے مسئلہ کو چھیڑنا وہاں کے اچھے خاصے دینداروں کو دعوت غصہ دینا ہے۔

جلالۃ الملک مسجد الحرام میں: میرے سامنے دو مرتبہ شاہ سعود "مسجد الحرام" حاضر ہوئے ایک مرتبہ مغرب کی نماز خود "معوذتین" سے پڑھائی۔ پہلی مرتبہ قبل ایام حج آئے تھے اس وقت بڑا ہجوم تھا شاہ کو اس ہجوم میں نہ دیکھ سکا۔ دوسری مرتبہ بعد حج آئے اس وقت دور سے شاہ کو دیکھ سکا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ سب سے طویل القامت جوانسان ہے وہ شاہ ہے۔ "باب ابراہیم" سے نہایت تواضع اور انکساری کے ساتھ اپنی لانبی گردن کو جھکائے ہوئے "مسجد الحرام" میں داخل ہوئے اور طواف خانہ کعبہ عام حاجیوں کے ساتھ کیا۔ شاہ کا انتظام حکومت بہت اچھا ہے ان کی رعایا پروری، عدل گستری کے بہت سے واقعات سنے اللہ تعالیٰ ان کو بعافیت رکھے اور ان کے ذریعہ ملت اسلامیہ کو زیادہ سے زیادہ فروغ عطا فرمائے۔

مادّے کی چہل پہل: ہر ملک سے ہر قسم کی اشیاء یہاں کے بازاروں میں آتی ہیں چونکہ یہاں باہر سے آئی ہوئی اشیاء پر کسٹم نہیں اس لیے چیز قدرے سستی ملتی ہے۔

موٹروں، بسوں کی کثرت ہے اعلیٰ درجے کے موٹر قطار در قطار دیکھنے میں آتے ہیں۔ ایک دن سوچتا تھا کہ یہ لوہے اور معدنی دھات سے مرکب بے روح ڈھانچے اور سانچے جن کو سیارہ کہا جارہا ہے امریکہ وغیرہ کے کارخانوں سے بن بن کر یہاں آتے ہیں اور ان کے جسم کو یہاں کی سرزمین سے روح (پٹرول) ملتی ہے۔ تب جاکر یہ کارآمد ہوتے ہیں۔ کاش یہاں آنے والے انسان بھی اپنے لیے یہاں سے روح اسلامی کو طلب کریں یہاں کی فضاؤں، یہاں کے آثار اور مقدس مقامات کی برکات کو سچے دل سے اخذ کر کے اپنے جمود کو حرکت سے اور غفلت کو دینی شعور سے تبدیل کر دیں۔

تنعیم و جعرانہ: بعد حج اپنے گزرے ہوئے رشتے داروں اور بعض احباب کے رشتے داروں کی طرف سے چار عمرے کیے جن میں سے تین کا احرام "تنعیم" سے اور ایک عمرے کا "جعرانہ" سے باندھا۔ "جعرانہ" پہنچ کر طبیعت کو بڑی فرحت حاصل ہوئی وہاں سے آنے کو جی نہیں چاہتا تھا وہاں فضاؤں میں بڑی دل آویزی تھی۔

خانہ کعبہ کا دیدار: مجھے کثرت ہجوم کے باعث نفلی طواف تو بہت کم ہوئے زیادہ تر اس کے دیدار سے اپنی نگاہوں کو سیراب کرتا رہا۔ "خانہ کعبہ" میں عجب دلکشی محسوس ہوتی تھی۔ اگر پہلے سے قلب کو اس سے پوری پوری مناسبت ہوتی تو اس کے فیوض بآسانی اخذ کیے جا سکتے تھے مگر اخذ فیوض کا مجھے کیا حوصلہ ہوتا جب کہ میں نے اس کے ظاہر حقوق کو بھی کما حقہٗ ادا نہیں کیا۔ مجھ بے عمل کے لیے یہی احسان خداوندی کیا کم ہے کہ اپنے جیتے جی اس مقدس مکان کا دیدار کر لیا۔ یہ گھر ایک جلیل القدر نبی علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ یہ مرکز اسلام ہے یہیں سے ہدایات وارشاد کے چشمے جاری ہوئے ہیں۔

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا ☆ خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل سے مشیت نے تھا جس کو تاکا ☆ کہ اس گھر سے ابلے گا چشمہ ہدیٰ کا

"خانہ کعبہ" کو دیکھتے دیکھتے کبھی یہ شعر بھی میری زبان پر آجاتا تھا۔

اس پردے میں پوشیدہ لیلائے دو عالم ہے ☆ بے وجہ نہیں بیدم کعبہ کی سیہ پوشی

کبھی کبھی یہ تصور غالب آتا تھا کہ اس گھر کا طواف انبیاء علیہم السلام نے خصوصاً سرور انبیاء علیہم الصلوٰت والسلام نے کیا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے جو سرفروشانِ اسلام اور مجاہدینِ ملت تھے اس گھر کے چکر لگائے ہیں بڑے بڑے اولیاءؒ اور اکابرامتؒ اس کے گرد پروانہ وار گھومے ہیں۔ یہ عشاق کے جذبۂ عشق کو فروغ دینے کا ایک مجسم ذریعہ ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھ گنہگار کو بھی اس کی زیارت نصیب ہوگئی اور جس مطاف میں مقدس ترین حضرات اور عشاق کے قدم پڑے ہیں وہاں تک مجھے بھی باریاب ہونے کا موقع مل گیا۔ ''کعبۃ اللہ'' کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات دل نشیں ہوتے تھے۔ انھوں نے ہی تو اس گھر کی طرف رہنمائی کی ہے۔ انھیں کے صدقے میں تو حج کرنے کا موقع ملا ہے۔ بعض اوقات مولانا جامی کا یہ نعتیہ شعر میری زباں پر جاری رہتا تھا:

بہ کعبہ رفتم از انجا ہوائے کوئے تو کردم ☆ جمالِ کعبہ تماشا بیادِ روئے تو کردم

ذرا سالِ رفتہ کو آواز دینا: اب حج کے ایام جتنے قریب آرہے ہیں مجھے سالِ رفتہ یاد آرہا ہے۔ اللہ اللہ یہ میری عمر کا کتنا زریں، کتنا عنبریں اور بہار آگئیں سال تھا۔ اب ''حرمین'' کی ایک ایک بات یاد آرہی ہے۔ ''مکہ معظّمہ'' ''مسجد الحرام'' ''خانہ کعبہ'' یاد آرہے ہیں۔ دفتر صولتیہ میں روزانہ تبلیغی مجلسوں کا منعقد ہونا، ''حرمؒ'' کے تعلیمی حلقے، نئے پرانے تبلیغی کارکنوں کی نشستیں، تقریریں بالخصوص مولانا عبیداللہ (بلیاوی) اور مولانا سعید خاں کی فصیح و بلیغ عربی تقریریں یاد آرہی ہیں۔ عالم اسلامی کا نمائندہ مجمع ''صحن حرم'' اور ''مسجد الحرام'' کے دروازوں پر آنے جانے والوں کا وہ کثیر اژدہام کہ شانہ سے شانہ چھلتا تھا۔ شب و روز ''طوافِ کعبہ'' کا دل افروز منظر، آب زمزم کی افراط، مقام ابراہیم، ملتزم، سنگِ اسود اور حطیم میں عاشقوں کا ہجوم، شیخ زمزمی کی محفل، شیخ محمد سلیم کی محبت آمیز باتیں، حرم کے حلقہ ہائے درس خدام مسجد الحرام حتیٰ کہ کبوتران حرم جو مڑ مڑ کے خاص انداز سے

دیکھتے تھے۔ کبھی فضائے حرم میں پرواز کرتے تھے اور کبھی صحن حرم میں ٹہلتے تھے اور کبھی بام و در مسجد پر گونجتے تھے، یاد آرہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پھر اس مقدس مکان کو دکھائے اور پھر قلب و روح کی تسکین کا سامان مہیا فرمائے۔ (آمین)

مکہ معظّمہ سے واپسی: شیخ زمزمی حکیم محمد یامین اور حضرات مبلغین سے رخصت ہوکر اور "باب ابراہیم" میں کھڑے ہوکر "خانہ کعبہ" کا نظارہ کرکے بادل پُر حسرت و یاس ۱۷/جون کو "مکہ معظمہ" سے "جدّہ" روانہ ہوئے۔ وہاں "مدینۃ الحجاج" میں قیام ہوا مظفری جہاز سے جانا ہے جو ۲۰/جون کو جائے گا۔ مولانا سعید خاں صاحب مع رفقاء مصر کی جماعت کو روانہ کرنے کے لیے "جدّہ" آئے ہوئے تھے۔ ہماری روانگی سے غالبًا ایک دن پیشتر مسافر خانہ کی مسجد میں مظفری جہاز پر تبلیغی کام کا نظام قائم کرنے کے لیے انھوں نے ایک مشاورتی اجتماع کیا۔ مولانا نے اس جہاز کے لیے امیر جماعت مجھے تجویز کیا ہر چند میں نے اس ذمہ داری سے سبکدوش رہنا چاہا مگر انھوں نے حکمًا میرے سپرد یہ کام کیا اور میری معذوری کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہت سی سہولتیں بھی مجھے دے دیں۔ مولانا سعید خاں صاحب نے "جدّے" کی مسجد میں حضرت مولانا (محمد منظور) نعمانی مدظلہ کو سلام پہنچانے کے لیے فرمایا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ آپ میرا ذکر اپنی کسی تحریر میں شائع نہ کریں۔ ان کے حکم کے برخلاف عمومی فائدے کی غرض سے میں نے ان کا اس رودادِ سفر میں کہیں کہیں تذکرہ کردیا ہے ان کے کارناموں اور ان کے رفقاء کی دن رات کی تبلیغی جدوجہد کو تو میں نے تفصیل سے بیان ہی نہیں کیا۔ دراصل حجاز میں تبلیغی کام کو فروغ دینا تمام دنیا میں اس کو جاری کرنے کے مرادف ہے مگر یہ کام اس علاقے میں خصوصًا حج کے مہینوں میں بہت ہی جدوجہد کو چاہتا ہے۔ اس کام کو چلانے کے لیے للّٰہیت وتقویٰ کے ساتھ ساتھ عربی زبان پر کامل عبور ہونا، قبائل وطبقات اور مختلف ممالک کے باشندوں کی طبائع سے واقفیت اور اچھے طریقے سے اس مقصد عظیم کو پیش کرنے کی صلاحیت بہت ہی ضروری ہے اور بحمد للہ یہ سب خوبیاں حجاز

میں کام کرنے والے حضرات کے اندر موجود ہیں۔ زبان پر بھی کافی عبور ہے خود مسلک امام ابوحنیفہؒ پر قائم رہتے ہوئے دیگر ائمہ کے مقلدین سے فروعی مسائل میں کبھی نہیں الجھتے۔ ہر مسلک کا اہل سنت و جماعت ان کے قریب آتا ہے تو ان سے مانوس ہو کر کام کی اہمیت محسوس کرتا ہے۔ نجدی علماء بھی جماعت کے پرانے کارکنوں کا اعزاز و اکرام کرتے ہیں۔

۲۰ رجون کو مظفری جہاز "جدے" کے ساحل سے روانہ ہوا۔ جہاز کے بالائی حصے میں نماز باجماعت پڑھنے کا انتظام کیا گیا۔ نیچے کے حصوں میں سامان کی کثرت کی وجہ سے نماز کے لیے چھوٹی چھوٹی جماعتوں کا اہتمام نہ ہو سکا۔ تبلیغی رفقاء بالخصوص سید نورالدین صاحب بی.اے. تمام جہاز میں گشت کرتے تھے اور بہت سے غفلت مآب حاجیوں کو نماز باجماعت پڑھنے کی ترغیب دیتے تھے۔ برسات کی وجہ سے امواجِ سمندر میں سخت تلاطم تھا۔ جہاز ہچکولے کھاتا ہوا چل رہا تھا مگر الحمدللہ نماز باجماعت پانچوں وقت صحیح اوقات میں ہوتی رہی۔ حاجی عبدالقدیر صاحب چاندپوری، حاجی محمد احسان امروہوی اور حاجی ارشاد احمد امروہوی تینوں نوجوان اذان، اقامت، درستگیٔ صفوف اور تشکیل جماعت کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ حاجی علاءالدین صاحب بہاری اور دیگر رفقاء نے بھی تبلیغی کاموں میں بہت حصہ لیا۔ شروع میں قاری جلال الدین صاحب بہاری امام رہے پھر سخت تلاطم کی وجہ سے وہ اپنی قیامگاہ سے اوپر تک نہ آسکتے تھے۔ ان کی طبیعت بھی ناساز ہو گئی تھی اس لیے مولانا محمد ابراہیم صاحب مدراسی نے پوری مدت سفر جہاز میں امامت کے فرائض انجام دیئے۔ مولانا مدراسی نے پانچوں وقت کی نماز سخت سے سخت جھکولوں میں بھی کسی نہ کسی طرح چھوٹی چھوٹی سورتوں سے کھڑے ہو کر پڑھائی۔ ان کی وجہ سے تمام مقتدیوں کی ہمتیں بھی بلند رہیں اور وہ بھی زیادہ تر کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھتے رہے۔ بعد عصر، مغرب تک کسی نہ کسی عالم کا وعظ بھی جماعت کی طرف سے ہوتا رہا۔ ایک دن مولانا حکیم محمد احسن صاحب نے بھی ایک تقریر فرمائی یہ تقریر بے ثباتی دنیا اور توجہ آخرت کی ضرورت پر تھی۔ دل

سے نکلی ہوئی آواز دل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ مجمع اس تقریر سے بہت متاثر ہوا۔ مولانا عبدالقیوم مظاہری نے بھی تقریر فرمائی جس سے حاضرین کو بہت فائدہ ہوا۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب مدراسی بھی اپنے مواعظ حسنہ سے نوازتے رہے، پرگنہ سنتھال (بہار) کے دو عالم بھی اس جہاز سے سفر کر رہے تھے جن میں سے ایک کا اسم مبارک مولانا عبیداللہ یاد رہ گیا ہے ان دونوں بزرگوں نے بھی تقاریر فرمائیں۔ مدراس کے ایک بزرگ جو غالباً قریشی صاحب کہلاتے تھے ان کی تقریر بھی ہوئی۔ آخری دن میں نے بھی کچھ عرض کیا احباب کے اصرار سے ایک دن دفتر امیر الحجاج میں جا کر لاؤڈ سپیکر پر بھی تقریر کی مگر تجربے نے یہ بتایا کہ جہاز میں لاؤڈ سپیکر کی تقریر کا اثر نہیں ہوتا۔ مجمع سامنے ہوتا نہیں لوگ بے توجہی سے سنتے ہیں بہت سے بالکل سنتے ہی نہیں۔ اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ گشت کر کے حاجیوں کو کسی نماز میں جمع کیا جائے اور اس کے بعد دینی باتیں پیش کی جائیں۔ اس جہاز میں رامپور کے ایک بزرگ بھی جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد ہیں اور مولانا ارشاد حسین رامپوریؒ کے نواسے ہیں فرسٹ کلاس میں سفر کر رہے ہیں معلوم ہوا کہ وہ تبلیغی کام سے بہت متاثر ہیں اور "مکہ معظمہ" کو جاتے وقت ایک جہاز میں انھوں نے تبلیغی کام کی اہمیت کو پیش نظر رکھ کر ایک تقریر بھی فرمائی تھی۔ چند رفقاء ان سے ملنے کے لیے گئے بہت دیر تک گفتگو فرماتے رہے اور تواضع سے پیش آئے اور تقریر کی درخواست پر اپنی ناسازیٔ مزاج کا عذر فرمایا۔ تمام رفقاء نے عموماً اور سید نورالدین صاحب نے خصوصاً آٹھ دن بڑی جد و جہد سے کام کیا اور میرا کام صرف اتنا تھا کہ نماز کے علاوہ اوقات میں آرام سے بالائی حصہ میں بیٹھا ہوا اس سلسلے میں کوئی مشورہ دے دیتا تھا۔ سید نورالدین صاحب نے شاید جہاز ہی میں "مدینہ منورہ" میں اپنے قیام کا ذکر کرتے ہوئے شاہ عبد[1] الغفور

---

[1] مولانا شاہ عبدالغفور نقشبندی سواتی مہاجر مدنیؒ۔ آپ علاقہ سوات پاکستان کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم صوبہ سرحد میں حاصل کر کے بقیہ علوم کی تحصیل کے لیے دہلی کا سفر کیا اور مدرسہ اسلامیہ امینیہ کشمیری گیٹ دہلی میں داخلہ لے کر تمام علوم متداولہ کی تکمیل مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور دیگر اساتذہ سے کی اور وہیں...... مسلسل

صاحب مجدّدی مدظلہ کی مجلسوں میں شرکت کا بھی ذکر کیا اس وقت مجھے افسوس ہوا کہ میں قیام "مدینہ منورہ" کے زمانے میں ان سے ملاقات نہ کر سکا۔

۲۸/جون کو تقریباً ۹ بجے جہاز بمبئی پہنچا اس وقت سے ساڑھے تین بجے تک کسٹم خانے میں کھڑا رہنا پڑا۔ پورے سفر میں کسٹم خانے کی یہ مشقت ناقابل برداشت تھی۔ آخری وقت میں بمشکل تمام ظہر کی نماز مسافر خانے میں جا کر پڑھی اور بعض اشخاص جن کے پاس ریڈیو تھے وہ تو عشاء کے وقت مسافر خانے میں پہنچ سکے۔ مسافر خانے میں حاجی عبدالواحد[1] خاں صاحب امروہوی ملاقات کے لیے آ گئے تھے۔ بعد مغرب "دفتر البلاغ" میں پہنچ کر قاضی اطہر صاحب اور منیری صاحب[2] سے ملاقات کی۔ منصوری صاحب اور بھائی محمد یعقوب صاحب بھی آ کر ملے۔ مجھے آتے جاتے جہاز میں چکّر بالکل نہیں آیا مگر جہاز سے اترتے ہی چکّر نے استقبال کیا۔ عشاء کی نماز کے وقت مسافر خانے کی مسجد ہنڈولے کی طرح جھولتی ہوئی محسوس ہوئی خیال تھا کہ دو ایک دن بمبئی میں آرام کر کے ریل کا سفر کریں گے مگر ساتھیوں کے اصرار سے ۲۹/جون کی صبح کو روانگی ہو گئی۔ پہلوان محمد صاحب[3]

مسلسل..... سالہا سال تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ مفتی کفایت اللہؒ کے ممتاز شاگردوں میں تھے۔ مفتی صاحبؒ کے تلمذ پر آپ کو فخر تھا۔ طالب علمی کے زمانہ سے کمالات باطنی حاصل کرنے کا ذوق تھا۔ آپ سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت فضل علی شاہ قریشیؒ سے بیعت ہوئے اور سلوک کی منزلیں طے کر کے اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے۔ بعض مبشرات کی بنا پر "مدینہ منورہ" کی سکونت اختیار کی اور وہیں آستانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر رہ کر خلق اللہ کی اصلاح وتربیت میں مشغول ہو گئے۔ آپ کی قیامگاہ طالبین کی اصلاح کا مرکز تھی۔ آپ کا فیض ہندوستان، پاکستان، مصر، شام، ترکی اور ترکستان تک پہنچا۔ مئی ۱۹۶۹ء میں وصال ہوا اور "جنت البقیع" میں سیدنا عثمان غنیؓ کے مرقد سے کچھ فاصلہ پر تدفین ہوئی۔ [1] حاجی عبدالواحد خاں محلہ نیازیان امروہہ کے رہنے والے تھے۔ کاروبار کے سلسلہ میں بمبئی میں قیام رہتا تھا۔ آپ کے صاحبزادے ڈاکٹر محمد زاہد خاں ہیں۔ امروہہ ہی میں ۱۱/جولائی ۱۹۸۲ء میں انتقال ہوا۔ [2] الحاج مولانا محی الدین منیری۔ آپ صوبہ بہار منیر کے رہنے والے تھے۔ بھٹکل صوبہ کرناٹک میں رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں آپ کے ذریعہ امت مسلمہ کی کافی خدمت لی۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور دیگر اکابر سے گہرا تعلق تھا۔ [3] پہلوان محمد صاحب قریشی امروہوی۔ آپ محلہ مچھر ہٹہ بساون گنج، امروہہ کے رہنے والے تھے۔ کاروبار کے سلسلہ میں بمبئی میں قیام رہتا تھا۔ صاحب سفرنامہ مولانا فریدیؒ اور دیگر اکابر سے کافی عقیدت تھی۔ (محب الحق)

امروہوی نے ہمارے قافلے کی سیٹیں بہت جلد ریزرو کرادیں۔ حکیم صاحب کے قافلے کے لیے منصوری صاحب نے جہاز آنے سے پہلے ہی سیٹوں کا انتظام کردیا تھا۔ حکیم صاحب ہم سے بعد کو سنبھل کے لیے روانہ ہوئے۔ ۳۰ رجون بروز جمعہ ہمارا قافلہ دہلی پہنچا۔ چند رفقاء کے علاوہ باقی سب رات کی گاڑی سے امروہہ پہنچے۔ میں باقی ماندہ رفیقوں کے ساتھ یکم جولائی کی صبح کو چل کر ساڑھے نو بجے امروہہ پہنچا۔ اسٹیشن پر تمام ارباب مدرسہ وطلباء مدرسہ، رفقاء تبلیغ، احباب، اعزا اور معززین شہر ملاقات کے لیے آئے تھے۔ سب کے لیے دعا کی بفضلہٖ تعالیٰ سب عزیزوں کو بخیر وعافیت پایا۔

اب میں ہوں اور ''حرمین شریفین'' کی یاد ہے۔ اللہ تعالیٰ پھر حج وزیارت کا موقع اپنے فضل وکرم سے عنایت فرمائے۔ آمین۔

جی چاہتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن ☆ بیٹھا رہوں تصور جاناں کئے ہوئے

حج کے سلسلہ کی چند ضروری باتیں

اب میں اپنے ناقص تجربے کی رو سے اور اپنے پیشرو اہل علم حضرات کے بعض تجربوں کو پیش نظر رکھ کر چند ضروری باتیں مختصر طریقے سے حجاج کی خدمت میں پیش کر کے اپنے ان ناتمام نقوش وتاثرات کو ختم کرتا ہوں۔

(۱) حج سے پہلے عازمین حج کو اپنی نیت اور اپنا نصب العین صحیح کر لینا بہت ضروری ہے۔ حج کا مقصد کیا ہے اور علاوہ ادائیگی فریضۂ حج سے کیا کیا فوائد روحانی واجتماعی حاصل کیے جاسکتے ہیں اس کو خوب ملحوظ رکھنا چاہیے۔

(۲) حج کو جانے سے پہلے کم از کم ایک کتاب ''مناسک حج'' سے متعلق اتنے غور و خوض اور توجہ کے ساتھ دیکھنا چاہیے جس طرح کسی امتحان کا امیدوار امتحانی کتابوں کو اچھے نمبر لانے کے لیے غور وخوض سے دیکھتا ہے۔ اس سلسلے میں ''زبدۃ المناسک'' مولفہ حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ بہت ہی جامع مختصر اور مفید کتاب ہے۔ اس کی شرح مولانا شیر محمد صاحب سندھی (جن سے مدینہ منورہ میں میری سرسری ملاقات ہوئی ہے) نے ''عمدۃ المناسک'' لکھی ہے مگر اس کی زبان سلیس نہیں ہے جگہ جگہ عبارت میں اغلاق اور پیچیدگی پیدا ہوگئی ہے اور بعض مسائل میں اختلافی بحث کر کے پڑھنے والے کو ذہنی انتشار کا موقع دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ ''زبدۃ المناسک'' کی شرح آسان زبان اور سلجھے ہوئے انداز میں ہو اور اس میں حتیٰ الامکان ایسے مسائل سے گریز کیا جائے جو الجھاؤ میں ڈال دیتے ہیں۔ اختلاف ائمہ کی صورت میں ''عمومِ بلویٰ'' کا بھی تو لحاظ رکھا جا سکتا ہے اور کسی نہ کسی امام کی ضرورت شدیدہ کے وقت پیروی کی جاسکتی ہے۔

علاوہ مناسک حج کے ایک دو سفرنامے بھی قدیم وجدید طرز کے دیکھ لئے جائیں ان سے بھی بہت فائدہ ہوتا ہے ساتھ ہی ساتھ ایسی کتابیں بھی دیکھ لی جائیں جن کو پڑھ کر ذوق عشق میں ترقی ہو۔ یہ سفر مقدس عشق ووارفتگی کا طالب ہے۔ جس قدر ذوق وشوق ہوگا

اسی قدر کامیابی ہوگی فضائل حج مولفہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کا مطالعہ اس مقصد کے لیے بہت مفید ہوگا۔

(۳) اس سفر میں یہ تہیہ کرلیا جائے کہ ہم کسی ساتھی یا کسی ہم سفر سے لڑائی نہ لڑیں گے، تلخ کلامی نہ کریں گے، خوش خلقی سے پیش آئیں گے، ایثار و تواضع کا مظاہرہ کریں گے۔ مزاج میں تیزی اور کج خلقی بہت سے لوگوں میں درازیٔ سفر کے باعث اور مالوفات سے دوری کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے۔ بعد وطن، بیوی بچوں کی جدائی، پان حقہ، سگریٹ اور چائے کی طلب اور بروقت حسب دلخواہ ان چیزوں کا نہ ملنا غصہ کا سبب بنتا ہے۔ حج سے پہلے ان تمام چیزوں سے تعلق کم کرنے یا کبھی کبھی ان کو ترک کر دینے کی مشق ہونی چاہیئے۔ اس لیے بہتر یہ ہوگا کہ حج سے پہلے کم از کم چالیس دن کسی جماعت کے ساتھ تبلیغی گشت کر لی جائے۔ اتنے عرصے میں اعتماد علی اللہ صبر و قناعت، ایثار و تواضع، احکام شرعیہ کا احساس اور اطاعت امیر کا کچھ نہ کچھ جذبہ پیدا ہو سکے گا جو اس سفر میں بھی کام دے گا۔ ہمارے خواہی نخواہی نخروں اور مزاج کی بے قیدی نے ہم کو بالکل نکما کر دیا ہے۔ ہمارے ماحول ناکارہ ہیں۔ ان میں رہ کر ایثار و مروت کا پیدا ہونا مشکل ہے۔

(۴) اس سفر میں کسی شخص سے کسی قسم کی توقع نہ رکھی جائے نفسی نفسی کا عالم ہوتا ہے اگر ساتھیوں میں سے کوئی راحت پہنچا دے تو اس کا شکریہ ورنہ کوئی شکایت نہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ اس سفر میں زیادہ تر ناچاقیاں توقعات پیدا کر لینے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ البتہ اپنی طرف سے اس بات کی کوشش کی جائے کہ جتنا ہو سکے میں دوسرے کو راحت پہنچا دوں۔ لوگ معلم کی شکایت بھی انھیں غلط توقعات کے قائم کرنے اور ان کے پورا نہ ہونے کے باعث کیا کرتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ یہ قانونی اور وقتی معلم ہمارے تمام کام انجام دے اور تمام مطالبات کو پورا کرے۔ جہاں تک ہو سکے کھانے میں اپنے مزاج سے مطابقت رکھنے والے لوگوں کے علاوہ کسی کے ساتھ شرکت نہ کی جائے اس مشترک طعام سے بھی صحیح اسلامی زندگی

کی مشق نہ ہونے کی وجہ سے بڑی بڑی شکایات پیدا ہوکر سوہانِ روح کا باعث ہو جاتی ہیں۔

(۵)　نماز کی پابندی کا بھی حج کی روانگی سے پہلے عہد کر لینا چاہئے۔ حج صحیح طریقے پر ادا کرنے کا ارداہ ہو تو نماز جیسا اہم فریضہ کبھی بھی نہ چھوٹے۔ دیکھا گیا ہے کہ ریل کے سفر میں، مسافر خانے کے قیام میں، جہاز کے اندر چکر کا عذر پیش کر کے اور ویسے بھی خواہ مخواہ حتیٰ کہ ''حرمین شریفین'' میں رہتے ہوئے بہت سے حاجی نمازیں چھوڑتے ہیں۔ حج سے واپس ہوتے وقت خاص طور پر سامان کی زیادتی کی وجہ سے جہاز میں جگہ کم رہ جانے کو عذر بنا کر نمازوں کو ضائع کیا جاتا ہے۔ اور بہت سے شوقین تو اپنے ساتھ لائے ہوئے ریڈیو جہاز میں کھول لیتے ہیں اور دن رات اس سے اپنا دل بہلاتے ہیں۔ نمازوں کا ان کو مطلق فکر نہیں ہوتا۔

(۶)　''حرمین شریفین کے بازاروں میں جا کر ضروری اشیاء اس نیت سے خریدی جائیں کہ یہاں کے دوکانداروں کو نفع ہوگا۔ مہاجرین کو بھی حسب استطاعت کچھ دیا جائے۔ یہاں کے غریبوں اور مسکینوں کا بھی خیال رکھا جائے، یہاں کے مدارس اور طلباء کی بھی امداد کی جائے۔

بہت سے لوگ بے ضرورت اور لہو ولعب کی چیزیں اور وہ چیزیں جن کا اپنے ساتھ لے جانا حاجیوں کو کسی طرح زیبا نہیں، خریدتے ہیں۔ مثلاً تصویر کے کیمرے، گانے سننے کے لیے ریڈیو، صورت دار کھلونے وغیرہ۔ دیکھا گیا کہ جمعہ کا دن ہے ''حرم'' میں نماز جمعہ بالکل تیار ہے اور ایک مالدار صاحبزادے اعلیٰ درجہ کا ریڈیو خرید کر لائے ہیں اور دفتر معلّم میں اس کی سوئیاں گھمار ہے ہیں۔ یقیناً وہ نماز جمعہ اس دلچسپ مشغلے کی وجہ سے نہ پڑھ سکے ہوں گے۔ افسوس مادیت اور لغویت کا غلبہ اس روحانی مرکز میں بھی ہمارے اوپر طاری رہتا ہے۔ لوگ سستی چیزیں دیکھتے ہیں تو ان کو بلا ضرورت بھی محض سستی ہونے کی وجہ سے خریدتے ہیں۔ مولانا زین العابدین صاحب لائل پوری نے ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے بڑی اچھی بات فرمائی تھی کہ ہر سستی چیز کو بلا ضرورت خرید لینا اور بازاروں میں اپنا

وقت یہاں ضائع کرنا عقلمندی کی بات نہیں ہے۔

(۷) ہر علاقے کے علماء کرام بھی اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے شہر و دیہات سے حج کو جانے والوں کو کسی ایک جگہ جمع کر کے ان کے سامنے مقصدِ حج رکھیں اور ضروری ضروری باتیں ان کو بتائیں۔سید مرزوقی معلم کے مکان پر ایک تبلیغی اجتماع میں ایک مصری عالم نے فرمایا تھا کہ اس بات کی ضرورت ہے کہ جن جن علاقوں سے حاجی روانہ ہوں وہیں ان پر محنت کر لی جائے یہاں پر ان کے ساتھ محنت کرنے میں اتنا فائدہ نہ ہوگا جتنا چلنے سے پہلے محنت کرنے سے ہوگا۔

(۸) حج سے پہلے چند ضروری عربی جملے اور الفاظ سیکھ لیے جائیں جو جہاز کے ساتھ سفر میں دوکانداروں، قلیوں اور موٹر چلانے والوں اور ضروری معاملات سے متعلق ہوں اس غرض سے اگر کوئی ذہین آدمی تھوڑی محنت کر کے کچھ عربی سیکھ لے تو کیا مشکل ہے؟ فارغ التحصیل حضرات کو بھی حج میں آنے سے پہلے عربی زبان میں اپنا مافی الضمیر ادا کرنے کی مشق کر لینی چاہئے۔

(۹) تمام عالم سے آئے ہوئے مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھتے ہوئے جس قدر بھی اخلاقی سلوک نیک ان کے ساتھ ہو سکے اس سے گریز نہ کیا جائے۔''حرم'' کے اندر ہمارے بعض ہندوستانی شہری و دیہاتی زیادہ سے زیادہ جگہ گھیر کر بیٹھتے ہیں۔دوسرا قوی الجثہ ان کے درمیان یا ان کے قریب آ جائے تو ناراض ہوتے ہیں اور بعض زبان سے بھی زور زور سے مصر کے دیو پیکر انسانوں کو جن میں سے کچھ لوگ ان کی جگہ میں زبردستی آ کر بیٹھ جاتے ہیں برا بھلا کہتے ہیں۔غنیمت ہے کہ طرفین ایک دوسری کی زبان سے واقف نہیں ورنہ ''حرم'' میں روزانہ خوب لڑائیاں رہا کرتیں۔

(۱۰) حجاز میں معدنیات کی فراوانی اور افراط زر کی وجہ سے مادی ترقیات کا ایک نیا دور شروع ہوا ہے مگر اہل عرب میں اب بھی یقین اور توکل علی اللہ کی دولت موجود ہے۔ہمیں

ان سے یقین سیکھنا چاہئے اور کہیں کہیں یقین کا رُخ بدلا ہوا نظر آئے تو اس کو صحیح کرنے کی بھی کوشش کرنی چاہئے۔ تمام عالمی اسلامی سے آئے ہوئے حاجیوں کی اچھی باتوں پر نظر کرنا چاہئے۔ ان میں جو خوبیاں ہوں ان کو اخذ کرنا اور اپنے طرز عمل سے اور اخلاق و تواضع سے ان سے دینی رشتہ پیدا کرنا چاہئے۔ اپنے اندر کی خامیوں کو دور کرنے کی زیادہ فکر ہو۔ بہت سے لوگ اہل عرب کی برائیاں خوب بیان کرتے ہیں اور ان کی خوبیاں نظر انداز کر دیتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی برائیوں کو اپنے عمل کی دلیل بناتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس سفر مقدس میں نیت کے خلوص کے ساتھ ساتھ ایثار و مروت اور حسن خلق و تواضع کا زیادہ سے زیادہ مظاہرہ کرنا چاہئے اور زیادہ وقت علاوہ ''مناسک حج'' کے تلاوت قرآن، ذکر اللہ نیز تبلیغی دینی اور تعلیمی حلقوں میں گذارا جائے تب ہی ہمارا حج صحیح رُخ پر آ سکے گا ورنہ آج کے دور میں جہاں بہت سی خرابیاں ہمارے اعمال میں رونما ہو رہی ہیں وہاں اس سفر کے اندر بھی بگاڑ پیدا ہو گیا ہے۔ آج یہ بھی بے روح ہو کر رہ گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایمان کا جذبہ ہی اس سفر خیر کا محرک ہوتا ہے۔ مگر فریضہ کی ادائیگی کے دوران میں جو کوتاہیاں ہوتی ہیں اور واپسی کے بعد جو غفلتیں نمودار ہو جاتی ہیں ان سے بھی چشم پوشی نہیں کرنی چاہئے۔ میری اپنی خود کی کیفیت تو عراقیؔ کے اس شعر کے مصداق ہے۔

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندانند ☆ کہ برونِ در چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی

اور حج کرنے کے بعد تو یہ شعر میرے جذبات و احساسات کا ترجمان ہے۔

یہ حسرت رہ گئی دل میں کہ حج کرنا نہ سیکھا تھا
کفن بردوش آ پہنچا مگر مرنا نہ سیکھا
(صوفی)

تاثرات سفر حاجی ماسٹر علاؤ الدین امروہوی

سفر حج سے متعلق چند واقعات جو آپ کے رفیق سفر ماسٹر حاجی علاء الدین صاحب مرحوم کی زبان سے خود (محب الحق) نے سنے ان کا بیان بھی یہاں درج کیا جاتا ہے:
مارچ ۱۹۶۱ء میں حضرتؒ کے ہمراہ حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ سفر میں میں ان کی خدمت کیا کرتا، خود میری خبر گیری و راحت رسانی میں پیش پیش رہتے۔ ریل و جہاز میں ہر وقت اپنے قریب ہی بٹھاتے۔ جب ہمارا قافلہ بمبئی اسٹیشن پر پہنچا تو ایک معلم صاحب (معلم عبد القادر) ریل کے ڈبے کے قریب آئے۔ معلم صاحب حضرتؒ سے بغلگیر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت آپ کا قافلہ ہمارے یہاں رہے گا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم معلم عبید الرحمٰن کو طے کر چکے ہیں۔ پھر بھی انھوں نے اصرار کیا کہ آپ کا قافلہ تو ان کے یہاں چلا جائے اور آپ مع ہمراہی میرے یہاں تشریف لے چلیں۔ آپ نے اس کو بھی منع فرما دیا۔ وہ یہاں تک مصر ہوئے کہ آپ کے اور آپ کے ہمراہی کے پورے سفر حج کے تا واپسی تمام اخراجات میرے ذمہ ہیں۔ یہ بھی آپ نے قبول نہ کیا۔ اب اسٹیشن سے مسافر خانہ پہنچے۔ اپنا قیام عام حاجیوں کے ساتھ رکھا۔ حالانکہ منتظمین مسافر خانہ نے آپ کے قیام کا الگ بندوبست کرنا چاہا مگر اسے منظور نہ فرمایا۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی سے ملنے تشریف لے گئے تو انھوں نے بھی الگ سے قیام کا بندوبست کرنا چاہا لیکن مولانا نے معذرت کر دی۔ یہاں پر دن رات آپ سے ملنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا اور ہر شخص زیادہ سے زیادہ آپ کی راحت رسانی کا متمنی ہوتا لیکن آپ فرماتے کہ میاں! آنے جانے والوں کی ٹھوکریں لگتی ہیں تو بڑا مزہ آتا ہے۔ آپ مسافر خانہ میں تبلیغی کام بھی برابر انجام دیتے رہے۔ کبھی جماعتوں کی روانگی کی دعا کرتے کبھی بیان فرماتے تو کبھی کام کرنے والوں کو قیمتی مشوروں سے نوازتے۔ عجیب کیفیت رہی۔ پاسپورٹ کے ضروری قواعد سے فارغ ہو کر اب قافلہ بندرگاہ روانہ ہوا۔ جہاز میں سوار ہوئے، جہاز میں بھی ملنے والوں کی

پروانہ وار بھیڑ رہتی۔ عام حاجی سے لے کر علماء تک ملاقات کے لیے آتے۔ یہاں بھی تبلیغی کام میں آپ کی مشغولیت برابر جاری رہی۔ آٹھ دن جہاز کا سفر رہا، آٹھویں دن جدہ کی بندرگاہ پر جہاز لنگر انداز ہوا۔ جمعہ کی نماز مسافر خانہ کی مسجد میں ادا کی۔ دوسرے دن ''مکہ معظمہ'' پہنچے ''بیت اللہ شریف'' میں حاضری ہوئی۔ طواف سے فارغ ہو کر مدرسہ صولتیہ پہنچے۔ شیخ سلیمؒ آپ سے مل کر بہت مسرور ہوئے۔ خوب زمزم پلایا اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا ''ماسٹر صاحب! یہ اللہ کے ولی ہیں آپ کا ڈبل حج ہوگا۔'' یہاں سے آپ زمزمی صاحب سے ملاقات کے لیے گئے۔ جیسے ہی دروازہ کے اندر قدم رکھا زمزمی صاحب لپک کر صحن میں آپ سے چمٹ گئے، بہت زیادہ تعریف کی تو آپ نے فرمایا میں کس قابل ہوں۔ زمزمی صاحب نے فرمایا میں سب جانتا ہوں گدڑی میں لعل ہے۔ ''مدینہ منورہ'' میں ایک امریکن سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے درخواست کی کہ آپ میرے ساتھ امریکہ چلیں۔ آپ نے انکار فرمادیا۔ انھوں نے کہا کہ اگر آپ منظور نہیں فرمائیں گے تو شاہ سعود سے سفارش کراؤں گا۔ فرمایا کہ میرے ساتھ مجبوری ہے میرے دو بھائی مجذوب صفت ہیں ان کی خبر گیری میرے ذمہ ہے۔ اس کے بعد وہ مایوس ہو گئے۔ ''حرمین شریفین'' کے تاجروں کے متعلق فرمایا کہ ان سے سودا لے تو حجت نہ کرے۔ ان کا ہمارے اوپر حق ہے کہ بغیر مال لیے ہی ان کی خدمت کریں۔ ''مدینہ منورہ'' میں ایک دن بارش ہوئی تو کیفیت بدل گئی۔ جب ''گنبد خضرا'' پر بارش کی بوندیں پڑ رہی تھیں تو آپ گنبد خضرا کے نیچے پہنچے اس کی بوندیں اپنے سر پر لیں اور میرے سر پر بھی ڈالیں۔

قطعۂ تاریخ

ازنتیجہ فکر: مرزا افسر حسن بیگ افسؔر امروہوی تلمیذ صاحب سفرنامہ حضرت فریدی امروہیؒ

مسندِ ارشاد کی زینت ہوئے مفتی نسیمؒ
فی الحقیقت صاحب خدمت ہوئے مفتی نسیمؒ
یہ سفرنامہ ہے فیضِ جاودانی اُن سے ہی

۱۴۳۱ھ
عاشق توحید اور سنت ہوئے مفتی نسیمؒ

مرتب کی دیگر کتابیں

۱. فیضانِ نسیم: مولانا فریدیؒ کے حالات، ملفوظات اور مکتوبات

۲. سیرت ذوالنورینؓ: امیر المومنین خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ کے مختصر حالات

۳. مکتوباتِ نعمانی: مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے مکتوبات بنام نواب عزیز الٰہی خاں حسن پوری مرحوم۔

۴. مکتوباتِ مشاہیر: بنام نواب عزیز الٰہی خاں حسن پوری مرحوم

۵. اردو تفاسیر و تراجم: علماء دیوبند کی تفسیری خدمات

۶. مقالاتِ فریدی (جلد اول): مولانا فریدی امروہیؒ کے مقالات

۷. سید العلماء: حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ کی سوانح حیات

۸. مقالاتِ فریدی (جلد دوم): مولانا فریدی امروہیؒ کے مقالات

۹. حکیم الامت کی محفل ارشاد

زیر طبع

مقالاتِ فریدی جلد سوم

جواہر پارے (تلخیص و انتخاب مکاتیب رشیدیہ)

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کا سفرنامہ حجاز (ترجمہ و تلخیص، ترتیب السالک الی احسن المسالک)

مرتب کی کتاب ''حکیم الامت کی محفل ارشاد'' اور مبصر

مولانا عبدالحمید نعمانی سکریٹری شعبۂ نشر واشاعت جمعیۃ علماء ہند

کردار وعمل اور ذہنی وفکری تربیت میں جہاں باکردار اکابر واشخاص کا اہم رول ہوتا ہے، وہیں ان کی باتوں اور تجربات کی روشنی بھی، سفر زندگی کی رہنمائی کا کام کرتی ہے، اس پر پہلی نظر، پہلا پیار اور پہلی نفرت کے اثرات بھی زندگی میں بہت اہم ہوتے ہیں۔ یہ بعد کی باتوں کے لیے پیمانہ بن جاتے ہیں، ہم پر ابتدائی عمر میں حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی تقویۃ الایمان، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مجموعۂ فتاویٰ رشیدیہ، مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ کی تعلیم الاسلام، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی بہشتی زیور، اصلاح الرسوم، دین کی باتیں، حیات المسلمین اور مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی اسلام کیا ہے اور دین وشریعت کے مطالعے کے جو اثرات ہوئے وہ آج تک باقی ہیں۔ قرآن کی تلاوت مع ترجمہ وتفسیر کے اثر کی برکت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ بزرگوں کے ملفوظات اور مجلسی باتوں سے بڑی رہنمائی ملتی ہے۔ ماضی قریب کے بزرگوں میں حضرت تھانویؒ اور حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے ملفوظات کے اثرات غیر معمولی رہے ہیں۔ انگنت بندگانِ خدا نے ان سے اپنی زندگی کو روشن کیا ہے، یہ حضرت تھانویؒ کے خلوص وللٰہیت اور ان کی سچی تڑپ کا ہی ثمرہ ہے کہ ان کا نام وکام مختلف عنوانات سے چرچے میں رہتے ہیں اور مختلف اشاعتی اداروں سے ان کی کتابیں اور خطبات وملفوظات کے مجموعے آئے دن شائع ہوتے رہتے ہیں، اور ان سے الگ الگ عنوانات پر بہت سی کتابیں بہت سے حضرات کی محنتوں سے منظر عام پر آ چکی ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا محمد زید مظاہری کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ زیر تبصرہ کتاب ''حکیم الامت کی محفل ارشاد'' اس سلسلے کی ایک اچھی کاوش ہے۔

حکیم الامت کی محفل ارشاد درحقیقت حضرت تھانویؒ کے ملفوظات کی متعدد جلدوں سے منتخب کردہ کارگر اور پُر اثر ملفوظات اور روح ملفوظات ہے جو نتیجہ ہے مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ کی محنت وکاوش کا۔ حضرت فریدیؒ کو اپنے حلقے اور سلسلہ کے اکابر واسلاف سے انتہائی تعلق تھا۔ وہ اس کے لیے بے قرار رہتے تھے کہ ان کی ورق ورق روشن باتوں کو لوگوں تک پہنچایا جائے تاکہ وہ ان سے اپنے آپ کو بنانے سنوارنے میں مدد لیں اور بقدر ظرف اپنے دامن مراد کو بھر لیں، گرچہ یہ زیر تبصرہ کتاب ہزاروں صفحات میں پھیلے ہوئے حضرت تھانویؒ کے ملفوظات سے مختصر منتخبات ہے تاہم بہت کام کا اور جاندار انتخاب ہے۔ گویا عطر کشید کر کے رکھ دیا ہے۔ کتاب کے جامع ومرتب مولانا محب الحق صاحب لائق تبریک وتحسین ہیں کہ انھوں نے سعادت مندی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے استاذ محترم حضرت فریدیؒ کے انتخابات کو الفرقان کے متفرق ومختلف شماروں کے دفینے سے نکال کر سفینے کی شکل میں پیش کیا ہے، ایسا وہ پہلے بھی کر چکے ہیں، یہ ایک مفید کام ہے، رسائل تک رسائی بہت کم لوگوں کو ہو پاتی ہے، اگر قابل ذکر اکابر ومصلحین کی متفرق تحریروں کو یکجائی طور سے کتابی شکل میں منظر عام پر لایا جائے تو شائقین کے لیے استفادہ آسان ہو جاتا ہے۔ حضرت فریدیؒ بہت ذمہ دار اور ٹھوک بجا کر لکھنے والوں میں سے تھے۔ ان میں مخصوص سلیقۂ تحریر تھا، زبان وبیان پر بھی بڑا عبور تھا، ضروری مقامات پر مولانا فریدیؒ نے قیمتی نوٹس اور حاشیے تحریر

کیے ہیں اور بعد میں جہاں بدلے حالات میں ضرورت محسوس ہوئی ہے وہاں مولانا محب الحق صاحب نے وضاحتی حاشیے لکھے ہیں۔ کچھ جگہوں پر مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے بھی حاشیہ رقم کیا ہے۔ مثلاً مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئی کے والد ماجد محمود الحق مرحوم کے متعلق۔ ملفوظات و ارشادات کا یہ مجموعہ بڑا قیمتی ہے۔ اس میں تکرار تقریباً نہیں کے برابر ہے۔

مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق بہت ہی مفید ہدایات ہیں۔ اس تبصرہ نگار نے حضرت تھانویؒ کے ملفوظات و ارشادات کے فائدے بہت محسوس کیے، بڑے سے بڑا سمجھا جانے والا کوئی آدمی بچی بات آپ کے عنوان سے کرتا ہے تو چاہے زبان سے اسے نہ کہے مگر دل سے ضرور کہہ دیتا ہے کہ جاؤ اپنا کام کرو۔ ابھی بہت دور کھڑے ہو۔ وقت سے پہلے زبان کیوں کھولتے ہو۔ حضرت تھانویؒ بڑے ماہر نفسیات تھے اس لیے سامنے والے کے مقصد اور بات کی تہہ تک بڑی جلدی پہنچ جاتے تھے اور اچھے اچھوں کا علاج اپنے حساب سے کر دیتے تھے۔ وہ اس معاملہ میں منفرد و ممتاز تھے کہ معاملات پر ان کے یہاں اوروں کی بہ نسبت بہت زیادہ زور ہے۔ اور بہت بچے تلے کی باتیں کہیں ہیں۔ یہ مختصر سا ۲۲۲ صفحات پر مشتمل مجموعہ اندازہ لگانے کے لیے کافی ہے۔ مثلاً یہ کہ

☆ اپنے مقام پر رہنے سے تو حکام کی طرف سے ایک حد تک ہی نگرانی ہوتی ہے اور سفر میں جانے سے چونکہ ہجوم ہوتا ہے اس سے حکام کو شک ہوتا ہے کہ ذی اثر ہیں، اس لیے میں استقبال کو پسند نہیں کرتا چنانچہ جب کسی کے بلانے پر سفر کرتا ہوں تو جہاں جانا ہوتا ہے وہیں کا ایک آدمی بلا لیتا ہوں تا کہ مقام پر پہنچ کر سواری وغیرہ کے انتظام میں آسانی ہو اور لوگوں کو استقبال وغیرہ کے لیے آنے کی ضرورت نہ رہے۔

☆ رعب جتنا شفقت سے ہوتا ہے اس قدر تخویف سے نہیں ہوتا۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا بڑا رعب تھا لوگوں کی جان نکلتی تھی حالانکہ ہر وقت ہنستے رہتے تھے۔

☆ مجھ کو ہاتھ چومنے سے بہت تکلیف ہوتی ہے جھکنا وغیرہ سب تکلفات ہیں بوجہ رواج کے لوگوں پر گراں نہیں ہوتے ورنہ بہت ہی گراں ہیں۔ بزرگوں کے سامنے سے کھانا اٹھا کر انہیں کے سامنے کھاتے ہیں میں طریقہ متعارف کے خلاف ہوں کیونکہ جس کے سامنے سے تبرک سمجھ کر کھالیا اگر متکبر ہے تو تکبر بڑھتا ہے اور اگر متواضع ہو تو اس کو اذیت ہوتی ہے۔ سامنے سے کھانا چاٹنا ٹھیک نہیں ہے۔ یہ باتیں اول مرحلہ میں ایسی ہلکی سی معلوم ہوتی ہیں غور کرنے سے ان کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ یہی قصہ پانی میں ہے کہ جہاں کسی بزرگ نے پانی پیا اور لوگوں میں اس کا دور چلا۔

اس طرح کی سیکڑوں قیمتی رہنمایانہ نصیحتیں اور ارشادات کتاب میں ہیں، آج کے دور پرفتن میں کتابوں کے نام پر الا بلا کا ایک سیلاب سا آیا ہوا ہے مستند اکابر اور مرشدان امت کے خطوط و ملفوظات اور ارشادات فکر و عمل کی تعمیر اور رہنمائی میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں، اور راہ زندگی میں منارۂ نور کا کام کرتے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب قاری کے لیے ایک مفید مجموعہ ثابت ہوگا۔

(بحوالہ: ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی)

❁

سراپا چمن ہے دیارِ مدینہ
دوام آشنا ہے بہارِ مدینہ

مدینے کے پھولوں کو کیا پوچھتے ہو
رگِ گل ہے، ہر نوکِ خارِ مدینہ

دلوں پر ہے جن کی حکومت کا سکّہ
زہے شوکتِ تاجدارِ مدینہ

کسی چیز کی اُس کو حسرت نہیں ہے
میسّر ہو جس کو غبارِ مدینہ

یہ مسجد، یہ منبر، یہ روضہ، یہ گنبد
ہے فردوس، ہر یادگارِ مدینہ

وہاں کی زمیں عرش سے بھی ہے اعلیٰ
جہاں (ﷺ) ہیں تاجدارِ مدینہ

تہجد، تلاوت، تضرع، دعائیں
خوشا سعیِ شب زندہ دارِ مدینہ

حنین و تبوک اور بدر و اُحد میں
صف آرا ہوئے شہسوارِ مدینہ

کبارِ مدینہ تو یوں بھی بڑے ہیں
بڑوں سے بڑے ہیں صغارِ مدینہ

تمنا ہے، عمرِ رواں اپنی گذرے
بہ ہمراہِ لیل و نہارِ مدینہ

فریدی چلو چل کے روضے پہ کہنا
سلام آپ پر تاجدارِ مدینہ

مجھ کو بھی روضۂ اقدس کی زیارت ہو نصیب...

شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ

سبز و شاداب گلستانِ تمنا ہووے
کاش مسکن میرا صحرائے مدینہ ہووے

ہند میں گرم تپش یوں دل مضطر ہے مدام
دام میں جیسے کوئی مرغ تڑپتا ہووے

مجھ کو بھی روضۂ اقدس کی زیارت ہو نصیب
زہے قسمت جو سفر سوئے مدینہ ہووے

جب کہیں قافلے والے کہ مدینہ کو چلیں
شوق میں پھر تو مرا اور ہی نقشہ ہووے

ننگے پاؤں وہیں ہو جاؤں میں اُٹھ کر ہمراہ
تن پہ جامہ بھی مرے ہو کہ برہنہ ہووے

یوں چلوں خاک اُڑاتا ہوا صحرا صحرا
جیسے جنگل میں بگولا کوئی اُڑتا ہووے

گرم جولان زوش برق ہوں شاداں خنداں
پاؤں پر پاؤں مرا شوق میں پڑتا ہووے

کانٹے تلووں میں چبھیں برگ گل تر سمجھوں
خاک جو اُڑ کے پڑے آنکھوں میں سرما ہووے

ایسی صورت سے در شاہ عرب پہنچوں
حال جیسے کسی ناچیز گدا کا ہووے

گرد آلودہ بدن خاک مرے چہرے پہ
اک تہہ بند پھٹا سا کوئی کرتا ہووے

خار پاؤں میں چبھے بال ہوں سر کے بکھرے
فکر سوزن ہو نہ کچھ شانہ کا سودا ہووے

باندھ کر ہاتھ کروں عرض بصد عجز و نیاز
خدمتِ شاہ میں جیسے کوئی بردا ہووے

یہ غلام آپ کا حاضر ہے قدم بوسی کو
وصل کا آج اشارہ شہِ والا ہووے

مری بیتابی و مسکینی پہ رحم آئے ضرور
خود درِ حجرہ والائے نبی وا ہووے

دوڑ کر سر قدمِ پاک پہ رکھ دوں اپنا
دھیان کس کو ادب و بے ادبی کا ہووے

کبھی چوموں کبھی آنکھوں سے لگاؤں وہ قدم
خاکِ پا آپ کی ان آنکھوں میں تماشا ہووے

گوہر اشک نثار قدم پاک کروں
جز تہی دستی جو کچھ اور نہ تحفہ ہووے

اور جب روئے مبارک کی تجلی دیکھوں
جلوۂ طور بھی آنکھوں میں تماشا ہووے

سن کے اس شوق کو کہتے ہیں ملائکہ بھی غریب
فضل حق سے تیری حاصل یہ تمنا ہووے

فرید بکڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

Corp. Off. 2158, M.P.Street, Pataudi House, DaryaGanj, New Delhi-2

Phones : (011) 23289786, 23289159 Fax : +91-11-23279998

Rs. 50/-